اور اصحابِ رسول کا انتخاب

تالیف

ابوخلیفہ علی بن محمد القضیبی رحمہ اللہ

ترجمہ

فضل الرحمن رحمانی الندوی

فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

تم إعداد هذا الكتاب بالتعاون مع:

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝٦ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ

موقع البرهان: www.alburhan.com

موقع العقيدة: www.aqeedeh.com

نام کتاب	:	اہل بیتؓ اور اصحاب رسول گا انتخاب
مصنف	:	ابو خلیفہ علی بن محمد القضیبی رحمہ اللہ
ترجمہ و تلخیص	:	فضل الرحمٰن رحمانی ندوی مدنی
ناشر	:	عقیدہ لائبریری
سال طبع	:	2010ء
تعداد	:	20ہزار

فہرست مضامین

❋......❋......❋

فرمانِ علی رضی اللہ عنہ

''میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو قریب سے دیکھا ہے میری نگاہ میں ان سا کوئی نہیں آیا ہے وہ صبح کو پراگندہ حال اٹھتے تھے۔ان کی راتیں بارگاہ الٰہی میں قیام وقعود اور رکوع و سجود کرتے گزرتی تھیں۔ وہ تمام رات بارگاہ ایزدی میں پیشانیوں کو رگڑ رگڑ کر اپنی عاجزی کا اللہ کے سامنے اظہار کیا کرتے تھے۔مناجات سے ان کی راتیں آباد ہوا کرتی تھیں۔ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں کثرت سجود کی وجہ سے نشان بن گئے تھے اور اللہ کے عذاب کے خوف اور اس کے ثواب کی امید میں قیام کی وجہ سے ان کی کمریں ایسے خمیدہ ہو گئی تھیں جیسے شدید ہوا کے وقت پیڑ جھک جاتا ہے۔'' (نہج البلاغۃ، خطبہ نمبر۹۲)

میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنایا ہے
اور آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

(ابو خلیفہ علی بن محمد القضیبی)

تقدیم

الحمدللّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی المبعوث الامین، سیدنا محمد و علی آل بیتہ الطاھرین الطیبین، وعلی صحابتہ الغر المیامین، ومن تبعھم بإحسان إلٰی یوم الدین، أمابعد!

یہ قارئین کرام کے لیے ایک عظیم خوشخبری ہے کہ اس وقت ان کے ہاتھوں میں ایک مفید کتاب ہے جس نے عقیدہ اہل سنت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے اس کو پڑھ کر بے شمار لوگ اہل بیت کے بارے میں صحیح اعتقاد سے روشناس ہوئے ہیں کہ شاید اس کے مفید ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے جو رسول اللہ ﷺ کی شان بیان کرتا ہے۔

﴿وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کو بلندی عطا فرمائی اور آپ ﷺ کے ذکر کو دوام بخش دیا ہے، لہٰذا جو شخص بھی ناموس رسالت کا دفاع کرے گا اور صحابہ کرام اور آل بیت رسول ﷺ کی عزت و آبرو کے لیے تگ و دو کرے گا تو اس کے مقدر میں بھی رفعت لکھ دی جائے گی۔

یہ ایک مختصر اور جامع کتاب ہے جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے جو اس کے قبول عام کی بین دلیل ہے، یہ محض اللہ کا فضل و احسان ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔

یہ کتاب اس وجہ سے بھی دلچسپ ہے کہ اس میں مؤلف کے قبول اسلام کی کہانی بڑے خوبصورت اور اچھوتے انداز میں خود مولف کی زبانی موجود ہے جس نے اس کتاب کی مقبولیت میں اضافہ کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے پیارے بھائی ابوخلیفہ کو فردوس اعلیٰ میں فروکش فرمائے اور قیامت کے دن انہیں نبی ﷺ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور آپ ﷺ کے آل بیت علیہم السلام کے زمرے میں شامل فرمائے۔ (آمین)

وصلى الله علىٰ نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

آپ کا بھائی
سید ناصر ہاشمی

❋......❋......❋

مقدمہ کتاب

الحمد للّٰہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه، ملء السمٰوات والارض، وملء ماشاء ربنا من شئی بعد، وصلوات اللّٰه وسلامه علیٰ صفوة خلقه وخاتم رسله محمد، وعلیٰ آله واصحابه ومن تبعهم باحسان الیٰ یوم الدین امابعد!

یہ کتاب چنداوراق کا مجموعہ ہے جو درحقیقت میری زندگی کی کہانی ہے۔ اس میں میری زندگی کے گزشتہ لمحات کی داستان رقم ہے گویا میری حیات گم گشتہ کے یہ چنداوراق پارینہ ہیں جس کو میں نے افکار وخیالات کے ضمن میں لکھا تھا میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ حق وباطل کے درمیان رسہ کشیتھی جو موروثی اور حقیقی کشمکش تھی جو انسانی زندگی میں بڑی آزمائش کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ صرف میرا ہی تجربہ نہیں بلکہ بہت سے ان لوگوں کا تجربہ بھی ہے جو عجیب وغریب عقائد معاشرے میں پیدا ہوئے اور اپنے سماج کے لئے انہوں نے قربانیاں بھی پیش کیں اور اس کی دفاع میں جان توڑ کوششیں بھی کیں۔ لیکن جب حقائق ان کے سامنے اجاگر ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ حق اس کے خلاف ہے اور وہ جس اعتقاد سے وابستہ ہیں وہ بالکل غلط ہے اور انہیں بخوبی علم ہوگیا کہ خاندان اور سماج کے رسوم ورواج کے نام باطل رسومات کا رواج اختیار کرنا گویا بہترین چیز کے بدلے کم تر چیز طلب کرنے کے مترادف ہے حالانکہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والی چیز ہے۔ وما عند اللّٰه خیر وابقیٰ

ابو خلیفه القضیبی

۲۰۰۵/۳/۲۷ء

کچھ یادیں کچھ باتیں

میری پرورش و پرداخت ایک ایسے مذہبی شیعی گھرانے میں ہوئی جس نے مذہب کی خدمت کو اپنا شیوہ بنایا ہوا تھا اور جو علمی وفکری ہر دو میدان میں شیعہ مذہب کی خدمت انجام دے کر قرب الٰہی کا خواہاں تھا۔ صغرسنی ہی میں میرے والدمحترم کا سایہ اٹھ گیا۔ چنانچہ میری اور میری بہنوں کی کفالت میرے ماموں نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ میرے ماموں مذہبی طور پر صاحب جبہ و دستار تھے انہوں نے بحرین میں شیعوں کے ایک مذہبی ادارہ ''جد حفص'' میں تعلیم حاصل کی بعد میں ایران کے مشہور شہر قم میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی تھی۔ ماموں ہماری دیکھ بھال میں بڑے چاق و چوبند رہا کرتے تھے ان کی خواہش تھی جس کی وجہ سے آپ بڑی سختی سے ہم لوگوں پر نگاہیں رکھتے تھے کہ کہیں ہم یہ بری سوسائٹی میں پڑ کر بے راہ روی کا شکار نہ ہو جائیں اور اس راہ پر نہ چل پڑیں جو ہماری خاندانی نیک نامی پر دھبہ ہو، ہمارے دین واخلاق کو غارت کر ڈالے، ہمارے رب کریم کی ناراضگی کا سبب بن جائے، ہمارے ماموں کی ہم لوگوں کے بارے میں سختی کا یہ عالم تھا کہ جب ان کو پتہ چلا کہ میں موسیقی کالج میں داخلہ لینا چاہتا ہوں اور میری خواہش بھی تھی کہ میں موسیقی ماسٹر بنوں گا تو اس موقع پر میرے ماموں نے اس کا سختی سے نوٹس لیا انہوں نے شدت کے ساتھ منع کیا اور اس بات کو ذہن سے کھرچ کر نکال دینے کے لئے بھرپور کوشش کی اور کہنے لگے کہ بچپن میں ہمارا کوئی ایسا سرپرست نہ تھا جو ہماری رہنمائی کرتا اور برے کاموں سے ہمیں روکتا یہی وجہ ہے کہ ہم نے بڑی تنگ دستی اور زبوں حالی کی زندگی گزاری ہے۔ لہٰذا میرے بچے برا نہ مانو اور میری نصیحت قبول کرو میں کہہ سکتا ہوں کہ موسیقی کے جنون کو ذہن سے نکالنے میں، میرے ماموں کا سب سے بڑا ہاتھ

ہے۔اگر ان کی عنایت وشفقت نہ ہوتی تو خدا جانے میں کس حال میں ہوتا۔اس کے علاوہ اور بھی دوسرے اسباب ہیں جو میرے اس جنون کی راہ میں روکاٹ بن گئے اور میں اس شیطانی دام میں پھنسنے سے محفوظ رہا۔

جہاں تک میری والدہ کا تعلق ہے وہ دینی محافل میں شرکت کی عادی تھیں اور اس کا بڑا اہتمام کرتی تھیں وہ ان مجالس میں اجر وثواب کی نیت سے شرکت کرتی تھیں ان کا واحد نقطہ نظر یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خوشنودی حاصل کر کے اپنے اعتقاد کی خدمت کر رہی ہیں یہاں تک کہ آپ کو مرض تک کی پرواہ نہیں ہوتی تھی امراض واسقام بھی ان مجالس میں شرکت سے نہیں روک سکتے تھے۔آپ کا پکا عقیدہ تھا کہ مجالس عزا میں شرکت نہ کرنا معصیت اور گناہ ہے اور اس میں شرکت کرنا امراض واسقام کے لئے باعث شفاء ہے اس کی وجہ سے مصائب وآلام دور اور غم واندوہ ختم ہوجاتے ہیں۔

میرے نانا مرحوم کا اپنی زندگی میں ڈھول تاشے بنانے کا پیشہ تھا وہ ڈھول تاشوں کی مرمت کیا کرتے تھے جو ڈھول تاشے جلوس حسین رضی اللہ عنہ میں خراب ہوجایا کرتے وہ ان کی اصلاح اور مرمت کیا کرتے تھے اور جو ڈھول تاشے رمضان کے آخری عشرے کی راتوں (جس کو الوداع کی رات سے موسوم کیا جاتا ہے) میں استعمال ہوتے تھے آپ کے یہاں ان کی مرمت کی جاتی جس میں بڑھ چڑھ کر ہمارے نانا حصہ لیا کرتے تھے

چونکہ میں مذکورہ معاشرے کا پروردہ تھا، لہٰذا مجھے بچپن ہی سے بحرین میں عباس کے نام سے موسوم ماتم میں حاضری محبوب تھی۔

میں اپنی صغرسنی سے ہی تمام مجالس ماتم میں شریک ہونے میں آگے آگے رہا کرتا تھا تاکہ مجھے اپنے ہاتھوں سے اٹھانے کے لئے وہ علم مل جائے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام سے جھانکی کی شکل میں نکالا جاتا ہے۔

جب میں تھوڑا اور بڑا ہوا تو ان ماتمی جلوسوں میں شرکت شروع کردی جن میں اثنائے

ماتم پیٹھ پر لوہے کی زنجیریں چلائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے بدن خون آلود ہو جایا کرتے ہیں۔

اسکول میں، میں اور میرے ساتھیوں کو دینی پروگراموں میں شرکت کا شوق بڑا تھا کوئی شیعی پروگرام یا مجلس ایسی نہ ہوتی جس میں ہم بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیتے گویا پروگرام تعلیمی مشاغل سے آزادی کا بہانہ تھے ہمیں اس دن آزاد رہنے کا موقع مل جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ مجالس اور محافل والے دن اسکول میں بکثرت غیر حاضری ہوا کرتی تھی اور ایک معقول عذر ہمارے ہاتھ آجاتا تھا اس دن ہماری غیر حاضری پر حوصلہ شکنی کی بجائے دلجوئی کی جاتی تھی اور ہم حوصلہ افزائی کے مستحق قرار دیئے جاتے تھے۔اور بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں اس حقیقت کا انکشاف کرنا پڑ رہا ہے کہ ہم میں اکثر نوجوان اس لیے مجالس عزا و ماتم کا شدت سے انتظار کیا کرتے تھے کہ ان جیسی مجلسوں اور محفلوں میں لڑکیوں سے چھیڑ خانی کا موقع مل جاتا تھا اور محفلوں میں مرد وزن کے اختلاط کا راستہ ہموار ہو جایا کرتا تھا و لا حول و لا قوة إلا بالله .

جہاں تک میرے خاندان کا تعلق ہے تو ان کو نذر و نیاز پر بڑا بھروسہ تھا۔وہ نذر و نیاز زیادہ کیا کرتے تھے میری سگی پھوپھی کو ہمیشہ ساقط کی شکایت رہا کرتی تھی یا تو بچہ ولادت سے قبل ہی اسقاط ہو جایا کرتا تھا یا ولادت کے فوراً بعد فوت ہو جاتا تھا کئی مرتبہ ان کو یہ عارضہ لاحق ہوا حتیٰ کہ ان کے یہاں لوگوں اور ہمارے اہل وعیال کو یقین ہو گیا کہ اب ان کی اولاد بچنا مشکل ہے چنانچہ ان پر اولاد کی طرف سے مایوسی چھا گئی اور ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نذر مانی کہ اگر ان کے یہاں ہر طرح کے عیوب سے منزہ اولاد پیدا ہوئی اور ان کو زندگی بھی ملی تو وہ اپنے مولود کو ہر سال عاشورا کی صبح [1] ماتمی جلوس میں لے جا کر شامل کریں گے اور اس

---

[1] کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ نذر ماننے والے کی مانگ پوری ہو جاتی ہے گویا اندھیرے میں اندھے کے ہاتھ بٹیر آ جاتی ہے اور وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ غیر اللہ میں سے جس سے اس نے استغاثہ کیا ہے اس نے اس کی سن لی ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے نذر کا تکہ لگ جانا اس بات کا شرعی جواز فراہم نہیں کرتا کہ غیر اللہ سے نذر مانی جائے کیونکہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں اور ان کی نذریں پوری ہو جاتی ہیں مثال کے طور پر نصرانی لوگ گرجا گھر جاتے ہیں اور اپنے عقیدہ کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام سے شفاء اور مال و دولت میں فراوانی کی دعا کرتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ابتلا و آزمائش ہے اسی طرح تمام مذہب و افکار سے ⇦ ⇦ ⇦

کو کفن پوش کر کے اس میں شریک کیا جائے گا اور چھری کا ماتم کرنے والوں کا خون اس کفن پر

⇦ ⇦ ⇦ متعلق لوگوں کا معاملہ ہے اس زمرہ میں ہندو، سکھ، عیسائی، یہود اور وہ تمام کے تمام لوگ شامل ہیں جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور اپنے اپنے باطل معبودوں سے اپنی اپنی منتوں اور حاجتوں کا سوال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی حاجتوں اور منتوں کو پورا کر کے انہیں آزمارہا ہے گویا کہ اس میں بھی اللہ کی طرف سے ان کو بظاہر ڈھیل دی جارہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۲) اس بارے میں کتاب الکافی [الکلینی] کے صفحہ [۱۸۲/۲] پر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے صاحب کتاب رقمطراز ہیں کہ "آپ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بندہ ہے جو گناہ کرے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس پر نعمتوں کی بارش کرتا چلا جائے اور وہ ان بیش بہا نعمتوں میں ایسا محو اور مگن ہو جائے کہ اسے اپنے کئے گناہوں سے استغفار کی بھی توفیق نصیب نہ ہو اسے عربی زبان میں استدراج کہا جاتا ہے کہ توبہ واستغفار کی توفیق سلب کر لی جائے۔

اور غیر اللہ سے استغاثہ کرنا گناہ ہی نہیں بلکہ بالاتفاق عظیم ترین جرم بھی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کون سا گناہ، گناہ عظیم ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرو حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے۔

ایک مسلمان کا اس بات پر سو فیصد یقین ہے کہ دعا عبادت ہے اور عبادت اللہ کے علاوہ کسی اور کی کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے ﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ (الجن: ۱۸) "اور مساجد اللہ ہی کے لئے خاص ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔" اسی طرح نذر بھی عبادت ہے اللہ کے علاوہ کسی اور کی نذر نہیں مانی جاسکتی اسی لئے نوری طبرسی نے (المستدرک: ۸۲/۱۶] پر امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے غیر اللہ کی نذر ماننے سے منع فرمایا ہے۔ آیت اللہ العظمیٰ محمد امین زین الدین اپنی کتاب "کلمة التقوی" میں (۴۲۲/۶) پر [۶۳] نمبر مسئلہ کے تحت رقمطراز ہیں کہ غیر اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے خواہ وہ کسی رسول، نبی، ولی، فرشتہ یا نیک بندے کی ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی کعبہ مساجد و معابد یا مقدس مقامات کی نذر ماننے کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بتلا دیں "آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کو نفع ونقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو پھر دوسرے انبیاء وائمہ کا کس زمرے میں شمار ہو گا اللہ تعالیٰ نے سورۂ جن میں ارشاد فرمایا ہے ﴿قُلْ اِنَّمَا اَدْعُوْ رَبِّيْ وَلَا اُشْرِكُ بِهٖ اَحَدًا ۝ قُلْ اِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝﴾ (الجن: ۲۰-۲۱) ترجمہ: "آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں۔"

لہٰذا کسی عقل مند کو شیطان کی چکر میں پھنس کر دھوکہ کا شکار نہ ہونا چاہئے اور قارئین کو بخوبی معلوم ہونا چاہئے کہ اس قسم کے قصے کہانی نقل کرنے میں میرا یہ مقصد کارفرما ہے کہ میں لوگوں کو ان افکار وعقائد سے باخبر کر دوں جو اللہ تعالیٰ سے تعلق کی کمزوری اور ایمان میں ضعف کی وجہ سے بعض سادہ لوح عوام کے ذہن میں سرایت کر گئے ہیں ورنہ کون سی عقل سلیم اس قسم کے عقائد کو قبول کر سکتی ہے جس ذہن ودماغ میں یہ آیت گونج رہی ہو ﴿اَلَيْسَ ⇦ ⇦ ⇦

گرایا جائے گا چنانچہ جب میری پھوپھی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ان کے والد نے اس کا نام عقیل رکھا ان کے گھر والوں نے بیٹے کے بارے میں جو نذر مانی تھی وہ اس کو چند سال اسی انداز میں پورا کرتے رہے مگر ابھی اس نذر کو مناتے ہوئے چند ہی سال کا عرصہ گذرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عقیل کی بصیرت کو کھول دیا اور اس کے دماغ نے یہ بات محسوس کی کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے علاوہ کسی اور کی نذر نہیں مانی جانی چاہئے اور امام علی جن کی نذر مانی جارہی ہے وہ انسان ہی تھے اور کسی انسان کی ذات سے عبادت کو منسوب نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کی بارگاہ میں دعا کی جاسکتی ہے اور نہ اس سے استغاثہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی نذر مانی جاسکتی ہے، لہٰذا عقیل نے سب سے پہلے عقل مندی کا کام یہ کیا کہ اپنی والدہ کو اس نذر کی حرمت کے بارے میں قائل کیا

میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ایک یادگار قصہ پیش آچکا ہے جس کی حیثیت کسی لطیفہ سے کم نہیں یہ داستان بھی عقیل بھائی جیسی ہی ہے۔قصہ یہ ہے کہ بچپن میں میری گردن کا آپریشن ہوا تھا مگر زخم مندمل ہونے کے بجائے پک گیا جس کی وجہ سے دوبارہ آپریشن کرنا پڑا۔میری والدہ کا کہنا ہے کہ آپریشن کی وجہ سے میری صحت بہت خراب ہوگئی تھی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہوگیا تھا۔

میری والدہ کو فکر دامن گیر ہوئی ۔چنانچہ کسی شیعہ ملا نے میری والدہ کو نصیحت کی کہ تم ''منامہ'' کے علاقہ میں واقع مزارات میں سے کسی ایک مزار پر جاؤ اور خصوصی طور پر علی کی دہائی لگا کر نذر مانو کہ وہ مرض سے مجھے نجات دلا دیں اور میں تندرست ہوجاؤں اور آپ کا عقیدہ بھی ہونا چاہیے کہ یہ اولیاء نفع رسائی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

غیر ارادی حالات کی بنا پر دن گزرتے گئے مگر میری والدہ اس مدت مدیدہ میں اس

⇦ ⇦ ⇦ ﴿اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ (الزمر:٣٦) ''کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟''مسلمان کے لئے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت کافی وشافی ہے مگر بندے کی زبان حال سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ضاحت فرمادی ہے ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ (یوسف:١٠٦) :''ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔''

نذر کو عملی جامہ پہنا نہ سکیں یہاں تک کہ میں بڑا ہو گیا۔

چنانچہ محض اللہ کی ہدایت اور توفیق کی وجہ سے جب میں عقیدۂ اہل سنت والجماعت کے دائرے میں داخل ہو گیا تو میرے گھر والوں نے چاہا کہ مجھے یہ بات باور کرائیں کہ میرے اہل سنت والجماعت کا مذہب قبول کرنے میں اہل بیت علیہم السلام کے حق میں ظلم اور بے ادبی کا ارتکاب پنہاں ہے۔ انہوں نے میری والدہ کی مانی ہوئی نذر کا بھی تذکرہ کیا اور بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی کہ اگر آل بیت علیہم السلام کی نظر عنایت اور ان کا کرم خاص شامل حال نہ ہوتا تو تم کبھی شفایاب نہ ہوتے بلکہ تمہارا نام ونشان اور وجود تک نہ ہوتا یہ تو انہی کی دین ہے کہ تم صحت وعافیت سے بہرہ ور ہو کر زندہ ہو گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے نذر پر مجھے ڈرایا دھمکایا اور مجھے ترغیب دینا شروع کر دی کہ میں ان کے ساتھ نذر ادا کرنے کی غرض سے مزار پر حاضری دوں تا کہ میں کسی اندوہ ناک واقعہ سے دوچار نہ ہوں۔

انہوں نے وقفے وقفے سے اپنے ساتھ مزار پر حاضری کے لئے مجھے قائل کرنے کی کوشش کی اور سنی مذہب سے مرتد ہو کر شیعی مذہب قبول کرنے کی تگ و دو کی لیکن ان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور وہ کسی صورت میں اپنی اس سازش میں کامیاب نہ ہو سکے تاہم اس جدوجہد نے میرے اندر ایمان کی جڑیں مضبوط کر کے اس کو بال و پر عطا کر دیئے۔

مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ اس مزار میں دفن صاحب قبر سے استغاثہ اور اس نذر و نیاز کرتے ہوئے ابھی چند ہی سال کا وقفہ ہوا تھا کہ یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ اس کے بارے میں جو باتیں پھیلائی گئی تھیں۔ ان کی حیثیت اوہام وخرافات سے زیادہ کچھ بھی نہیں [1] حقیقت واضح ہو جانے کے بعد مزار پر بلڈوزر چلا دیا گیا پوری زمین کو ہموار کر کے استعمال کے قابل بنا دیا گیا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کا لطف واحسان ہے۔

---

[1] چنانچہ ۱۴۲۵ھ بمطابق۔ مطابق مئی ۲۰۰۴ء کو بعض شیعی اشتہارات کے ذریعہ اعلان کیا گیا کہ اس جگہ مزار ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ اس جگہ مہدی منتظر کے قدموں کے نشانات پائے جاتے ہیں اور یہ جگہ بابرکت ہے۔

امام خوئی کا چاند میں ظہور

جب شیعہ کے مرجع اعلیٰ اور نجف میں شیعوں کے علمی مرکز حوزہ کے قائد امام خوئی وفات پا گئے اور ان کی موت کے جلوس ،جس میں ان کی لاش کی شبیہ بھی اٹھائی گئی تھی سے ہم لوگ فارغ ہو گئے تو جلوس میں شامل افراد کے پاس مخارفہ نامی محلّہ سے یہ خبر پہنچی کہ امام خوئی کا چاند پر ظہور ہوا ہے اور انہیں رات کے اندھیرے میں چاند میں جلوہ نما دیکھا گیا ہے جب ہم نے چاند کا اسی وقت مشاہدہ کیا تو دور دور تک ان کا اس میں نام ونشان تک نہ تھا مگر منامہ (بحرین) کے کچھ لوگ اس خبر کی اندھی تصدیق پر مصر تھے اور اس کے وقوع کا زور وشور سے پروپیگنڈہ کرتے گھوم رہے تھے یہ خبر پورے منامہ میں جنگل کی آگ کی مانند پھیل گئی۔لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس خبر کی تصدیق کر رہی تھی جب کہ زیادہ تر عورتیں اس کی تصدیق میں آگے آگے تھیں۔

جس دوران ہم لوگ جلوس میں شریک ہو کر چہل قدمی کر رہے تھے کہ ایک دم سے لوگ چاند کی طرف اشارہ کرنے لگے اور امام خوئی کے چاند میں وجود کی خبر کا دعویٰ کرنے لگے اسی دوران میرے ایک دوست علی نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم کو کچھ اس چاند پر نظر آ رہا ہے میں نے اپنے دوست سے کہا کہ مجھے تو امام خوئی ووئی چاند پر نظر نہیں آ رہے ہیں میرے دوست نے بھی مجھ سے یہی بات کہی کہ مجھے بھی چاند پر ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی ہے۔ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ تم ان لوگوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کیوں کہہ رہے ہو کہ امام خوئی کا عکس چاند میں نظر آ رہا ہے؟ حالانکہ حقیقت میں تم کو چاند صاف نظر آ رہا ہے اور اس میں کسی کا کوئی عکس نہیں ہے۔میرے دوست نے مجھ کو جواب دیا کہ کیا تم لوگوں میں جوش وخروش

نہیں دیکھ رہے ہو؟ اگر میں نے ان کی مخالفت میں یہ کہا کہ چاند میں کوئی نظر نہیں آ رہا ہے تو ان کا سارا جوش جذبہ میرے خلاف ٹوٹ پڑے گا اور میں تختہ مشق بن جاؤں گا۔ مجھے اپنے دوست کی اس بات پر بڑی ہنسی آئی اور اس کے اس موقف سے درس عبرت حاصل ہوا جس کی اثر پذیری کا مجھے بعد میں احساس ہوا۔

منامہ کے ایک شخص نے اس عجیب وغریب جھوٹی خبر پر یہ تردید لکھ کر شائع کی کہ رسول اللہ ﷺ نے جس دن وفات پائی اس دن آپ ﷺ کا چاند پر ظہور تک نہ ہوا لیکن امام خوئی اپنی وفات کے پہلے دن ہی چاند پر جلوہ افروز ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن

............*

شیعت سے نفرت کا سبب

سب سے پہلے میں اس بات کی وضاحت کر دوں کہ مجھے کوئی یہ خیال نہیں کہ میں اخلاق کی اس بلندی ، عادات کی اس پاکیزگی ،اور روح کی اس بالیدگی میں پہنچ گیا ہوں جس پر انسان کو پہنچنا چاہئے لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ انسان خواہ اپنی تہذیب وثقافت اور اپنے دین و مذہب پر قائم ہو، تاہم ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے جس سے تجاوز کرنے والے نے فطرت سلیمہ اور اخلاق کریم کی ساری حدود تجاوز کر کے انسانیت کا خون کر ڈالا ہے جس کو کوئی معاف نہیں کر سکتا۔

سب سے پہلے میرے درمیان اور اس مذہب کے درمیان ،جس پر میں گامزن تھا، جو ٹکراؤ ہوا وہ مذہب شیعہ کا اخلاقی پہلو تھا دراصل اس مذہب کا اخلاقی پہلو بڑا گھناؤنا اور اتنا گھٹیا ہے کہ عقل انسانی جس کے بارے میں تصور نہیں کر سکتی۔

ابتداء میں، میں خود کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتا تھا کہ شیعوں کی غیر اخلاقی حرکات دراصل ذاتی افعال سے عبارت ہیں اور جن چیزوں کا گاہے بگاہے، میں ملاحظہ کرتا رہتا ہوں اس کا مذہب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، حتیٰ کہ وہ دن آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے میری بصیرت کھول دی اور میں حقیقت سے آشنا ہو سکا۔ دراصل مذہب شیعی میں جن چیزوں سے مجھے دلی کوفت ہوتی ہے وہ تین چیزیں ہیں۔)

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو گالی گلوچ کرنا اور تبرے بازی کرنا۔

۲۔ متعہ جیسے قبیح فعل کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھنا۔

۳۔ غیر اللہ سے دعائیں کرنا اور مردہ مخلوق سے حاجت روائی کی امید رکھنا

یہی وہ تین چیزیں ہیں جنہوں نے درحقیقت میری زندگی کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ میں نے اس باطل عقیدہ کو چھوڑ کر عقیدہ اہل سنت والجماعت کو اپنایا ہے۔ دراصل یہی وہ عقیدہ ہے جس کی عداوت و دشمنی میں میری زندگی کے سنہرے ایام گزرے تھے اور زمانہ جاہلیت میں جس کی طرف بغض کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو گالی دینا اور ان پر تبرا بازی کرنا:

میرا حال یہ تھا کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض رکھتا تھا ان کے بارے میں میرا یہ خیال تھا کہ انہوں نے آل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین پر ظلم کیا ہے لیکن اس کے باوجود میں نے کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو گالی دینے اور ان پر لعن ملامت کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اس خیال نے مجھ کو اس عمل بد پر اکسایا تھا۔ اس وقت میرے نزدیک اس مسئلہ کی حیثیت محض اخلاقی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں اس وقت میری کیا رائے تھی؟

دراصل میں سمجھتا تھا کہ کوئی دین یا مذہب اپنے پیروکاروں کو اس طرح کا رویہ اختیار کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتا۔ میں نے کبھی بھی ایسا نہیں سنا کہ کوئی مذہب اپنے پیروکاروں کو، مردہ لوگوں کو گالی دینے کی ترغیب دے اور ان پر لعن وطعن کو باعث لذت کام ودہن سمجھے یہاں تک کہ قضائے حاجت کے دوران وقت گزارنے کا اس کو ذریعہ قرار دے (العیاذباللہ)

شیعوں کے عالم محمد التوسیرکانی اپنی کتاب "لالی الاخبار" کے صفحہ نمبر۴/۹۲ پر رقم طراز ہیں:

"تم کو اس بات کا بخوبی علم ہونا چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر لعن وملامت اور گالی گفتاری کے لئے سب سے بہتر وقت اور موزوں مقام وقت قضائے حاجت کا وقت اور مقام ہے" چنانچہ استنجاء اور قضائے حاجت کے وقت ہر مرتبہ خوب ٹھنڈے دماغ کے ساتھ یہ کلمات ورد زبان رکھا کرو۔" (علیہم لعنۃ اللہ)

((اللّٰھم العن عمر ثم ابابکر وعمر ثم عثمان ثم معاویة وعمر...... اللّٰھم العن عائشة وحفصة وھنداً ام الحکم، والعن من رضی بافعالھم الیٰ یوم القیامة))

''اے اللہ! عمر و ابوبکر اس کے بعد عثمان اور پھر امیر معاویہ و عمر پر لعنت فرما۔ اے اللہ! عائشہ، حفصہ، ہندہ اور ام حکم پر اور جو ان کے کارناموں سے رضامندی کا اظہار کرے ان پر قیامت تک لعنت نازل فرما۔''

میں انگشت بدنداں تھا اور جس وقت مجھے اس بات کا یقین ہوگیا کہ ہمارے مذہب شیعی میں جو من گھڑت روایات ہیں اور جو قصے کہانیاں ہیں یہ اسی کی کرشمہ سازی ہے جس نے ہمیں بلا وجہ برانگیختہ کرنے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر اور جو ان سے ہمدردی اور تعلق رکھے، ان کو گالی دینے اور لعن طعن پر ابھارنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان روایات میں سب سے پہلے صحابہ کرام کی تکفیر اور ارتداد کی تہمت طرازی کر کے مذہب شیعی کے مشن کی ابتداء کی جاتی ہے۔ اس کے بعد مذکورہ روایات کے روبرو اصحاب رسول پر لعن طعن کرنے کا مرحلہ آتا ہے آخر میں ان سے براءت کا اظہار کیا جاتا ہے یہ تمام کی تمام چیزیں قدیم اور جدید کتابوں میں ترتیب کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں اور تمام شیعہ حضرات اس کو چاہتے ہیں۔

ان میں سے ایک روایت یہ ہے جس کو رجال الکشی نے نقل کیا ہے:

''حضرت حنان بن سدیر اپنے والد سدیر سے روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تین اشخاص کے علاوہ سارے کے سارے لوگ مرتد ہوگئے تھے۔ میں نے کہا کہ وہ تین اشخاص کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: حضرت مقداد بن الاسود، حضرت ابوذر غفاری، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ بعد ازاں چند اور لوگوں کے ایمان کے بارے میں انکشاف ہوسکا اور فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی بیعت پر لوگوں کی

نگاہیں جمی ہوئی تھیں ان لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور بہ دل ناخواستہ امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کی۔'' [1]

بعض روایات میں ہے: ''ان تین صحابہ کرام کے ساتھ چار صحابہ اور بھی آ کر مل گئے تھے تاکہ صحابہ کے زمانے میں شیعوں کے اعتقاد کے مطابق مومنین کی تعداد سات تک ہو سکے۔ لیکن سات کے عدد سے زیادہ اس وقت مؤمنین کی تعداد نہیں تھی مراد یہ کہ سات صحابہ ہی ایمان کے دائرے میں محفوظ رہ سکے تھے اور باقی نعوذ باللہ مرتد ہو گئے تھے (سبحانك هذا بهتان عظيم)۔

اس بارے میں شیعوں کی جو روایات شاہد عدل ہیں ان میں سے حضرت حارث بن مغیرہ سے روایت ہے کہ

''انہوں نے عبدالملک بن اعین کو ابوعبداللہ علیہ السلام سے سوال کرتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لوگ ہلاکت و بربادی کا شکار ہو گئے [2] تو ابوعبداللہ علیہ السلام نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ایسا ہی ہے اے ابن اعین! تمام کے تمام لوگ ہلاکت و بربادی کی وادی میں پڑے تھے۔ ابن اعین کہتے ہیں، میں نے کہا کہ اس کے بعد اب مشرق و مغرب میں کون صحیح ایمان پر ثابت قدم بچا تھا؟ تو راوی کا کہنا ہے ابوعبداللہ علیہ السلام نے جواب دیا کہ گمراہی و بے راہ روی کے دہانے کھل گئے تھے، خدا کی قسم! تین افراد کے علاوہ تمام کے تمام ہلاک ہو گئے تھے۔'' [3]

---

[1] ''الکافی: ۸/ ۲۴۵، اور کتاب ''الدرجات''، ص: ۶۱۳۔

[2] اس سے شیعوں کی مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لوگوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیعت کے بعد یہ صورتحال درپیش ہوئی تھی۔

[3] اردبیلی کا قول ہے کہ ابوساسان کا نام الحصین بن المنذر رہے اور ان کو ابوسنان بھی کہا جاتا ہے اس کے بعد انہوں نے بھی یہی روایت رجال الکشی سے نقل کی ہے۔

اس پر میں نے شیعی مذہب سے رجوع کا ارادہ کیا اور تفسیر کے مطالعہ کی غرض سے میں نے اللہ کا یہ قول نہایت تدبر میں وتفکر سے پڑھا۔

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝﴾ (التوبة:۱۰۰)

’’اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ سب اس سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین سے راضی ہو گیا ہے حضرت ابوبکر، عمر عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کے حق میں یہ بالکل صریح ہے حالانکہ شیعہ ان کو ہدف مطاعن بناتے ہیں۔

چنانچہ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ کیا ایسا ممکن ہے اور کیا یہ بات قرین قیاس ہے اور کیا کوئی عقل مند یہ باور کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم روا رکھتے ہوئے غاصبانہ طور پر ان سے زبردستی خلافت چھین لی ہو حالانکہ وہ صحابہ ہیں جن کے بارے میں قرآن کہہ رہا ہے کہ وہ ان سے راضی ہو گیا اور ان کے لئے جنت نعیم بطور مہمانی تیار ہے اگر نعوذ باللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا ہوتا یا ان سے زبردستی خلافت غصب کی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان سے رضامندی کا کیوں اعلان کرتا؟

چنانچہ صحابہ کرام میں سے ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم وہ حضرات ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے ہیں کہ وہ ان سے راضی تھے اور ان کی مدح وثنا

میں آیات قرآنیہ کا نزول ہوا ہے پھر کیسے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہی لوگ جن کی مدح سرائی قرآن نے کی ہے، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کفر کی گندگی میں جا گریں حتی کہ شیعہ نے ان پر بہتان باندھا ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں تحریف کی ہے اور معاملہ دین کو تبدیل کر ڈالا ہے احکام شرعیہ میں ترمیم کی ہے اس اقدام کی وجہ سے شیعوں نے اپنے آپ کو مجرمین کے کٹہرے میں لے جا کر کھڑا کر لیا ہے ہمارا شیعہ حضرات سے سوال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ اس کے رسول ﷺ کی موت کے بعد صحابہ کرام مرتد ہو جائیں گے یا نہیں اگر جواب ہاں میں ہے اور یقیناً ہاں میں ہے تو ہم کہیں گے کہ یہی اعتقاد تمام مسلمانوں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ماضی حال مستقبل پر محیط ہے اس صورت میں ان آیات کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی جن میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تعریف کی ہے کیونکہ شیعوں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سارے کے سارے صحابہ یا تو منافق ہو گئے ہیں یا مرتد ہو گئے ہیں؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے رسول ﷺ کی مدح و ثناء کر کے اور اصحاب رسول سے رضا مندی کا اظہار کر کے (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) اپنے رسول ﷺ کو دھوکہ دینا چاہتا ہے اور کیا ان اصحاب ثلاثہ کی رسول اللہ ﷺ سے رشتہ داری محض تماشہ تھی اور رسول اللہ ﷺ کا ان صحابہ کرام پر اعتماد محض دکھلاوا تھا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے۔
(سبحانك هذا بهتان عظيم)

اس قسم کی بیہودہ سوچ دین کے ساتھ مذاق ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرگز زیب نہیں دیتی بلکہ یہ سوچ صریح اور کھلا کفر ہے۔

فرض کریں اگر حقیقت یہی ہے جو شیعوں کا عقیدہ ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیقی صفات کا قرآن کریم میں تذکرہ کر کے اپنے نبی ﷺ کو اس بارے میں آگاہ کیوں نہ کیا؟ رسول اللہ ﷺ کی موت کے بعد عنقریب وہ اپنی دینی حالت سے منہ موڑ

کر ارتداد کی راہ اختیار کرلیں گے اس چیز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو زندگی ہی میں آگاہ کیوں نہیں کیا۔ہم کہتے ہیں کہ یہ بالکل دروغ گوئی اور اتہام بازی ہے یہ حضرات اپنے اس موقف کی وجہ سے ملت اسلامیہ کا جنازہ نکالنے پر تلے ہوئے ہیں اور دین و مذہب کے نام پر اسلام کا قلع قمع کر دینا چاہتے ہیں۔

آخر میں ہم اس حتمی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ چونکہ فریق مخالف کے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور حق بات یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ صحابہ کرام سے راضی ہوگیا اور ان کو اپنے قرآن عظیم اور اپنے نبی کریم کی زبانی دنیا ہی میں جنت کی بشارت سے بھی نواز دیا۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم اور اپنے نبی کی سنت پر گامزن رہے اور ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اتباع سنت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا٥﴾

(الفتح: ۱۸)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتیں جانتا ہے اور اس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں عنقریب فتح عنایت فرمائی۔''

ہمارا سوال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ کوئی شخص باخبر ہوسکتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اور ان کے دلوں کے بھیدوں سے مطلع ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے رضامندی اور خوشنودی کا اپنی کتاب عزیز میں اظہار فرما دیا ہے اور ان پر اطمینان کے نزول کو بھی اس میں بیان فرما دیا ہے لہذا کسی کو بھی پس وپیش کی اجازت نہیں اور نہ کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش باقی ہے۔

عقیدۂ متعہ کیا ہے؟

جہاں تک متعہ کا تعلق ہے ہمارے نزدیک ایک شیعی فرد ہونے کی وجہ سے متعہ کے جواز کی آزادی موجود ہے لیکن شروع ہی سے میرے گوشۂ دل میں کسک پائی جاتی تھی اور میں کسی صورت میں متعہ کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو پاتا تھا اگرچہ ابھی تک میں اس کے جواز اور عدم جواز کے دلائل سے ناواقف تھا اور میری آنکھوں کے سامنے اس کی عدم جواز کا بیان تک نہیں گزرا تھا لیکن فطرتاً یہ نازیبا حرکت میرے نزدیک مردود تھی اور میں جب اس موضوع پر مناظرہ ہوتے سنتا، تو مجھے مباحثہ میں شرکت سے شرم محسوس ہوتی تھی کیونکہ اس کی جواز کے قائلین سے میرا صرف ایک ہی سوال ہوتا تھا کیا تم اپنی بہن کیساتھ متعہ کے لئے راضی ہو تو مدمقابل کا شرم وحیا سے فطری جواب نہیں میں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض لوگ اس کا جواب دیتے ہوئے آگ بگولہ ہو جاتے تھے مگر اس کے بغیر ان کے پاس کوئی چارہ کار نہیں ہوتا تھا۔

جہاں تک متعہ کی اباحت کا مسئلہ ہے اسلام نے اس کو وقتی طور پر از راہ ضرورت جائز قرار دیا تھا [1] بعد ازیں رسول اللہ ﷺ نے اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا مستند روایات اس کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں اور عجیب بات ہے کہ شیعہ میں یہ روایتیں پائی جاتی ہیں جن میں عقیدۂ متعہ کی حرمت اور اس کی قباحت کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کے باوجود ہماری قوم ان روایات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ عبداللہ بن سنان سے مروی ہے میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ اپنے نفس کو گندگی سے آلودہ کرنے کی کوشش مت کرو۔

۲۔ حضرت علی بن یقطینؒ سے مروی ہے میں نے ابوالحسن علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ تم کو اس بحث سے کیا سروکار ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بے نیاز فرمایا ہے۔

---

[1] الفصل لابن حزم الاندلسی : ۲۲۵/٤.

۳۔ حضرت ہشام بن حکم حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے ہمارے یہاں نکاح متعہ، بازاری افراد کیا کرتے ہیں۔ [2]

۴۔ امام طوسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگلی گدھے اور نکاح متعہ کو حرام قرار دیا ہے۔

ان روایات کی رو سے متعہ میں کسی قسم کا جواز تلاش کرنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا ذاکرین عظام اس موقع پر اپنا آخری حربہ استعمال کریں گے اور وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان روایات کو تقیہ پر محمول کریں گے کیونکہ یہ عوام کے مذہب کے موافق ہیں۔

شیعہ حضرات ان مذکورہ روایات کو ان کے صحیح اور مستند ہونے کے باوجود ماننے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ یہ اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے موافق ہیں۔

............*

[1] فتح خیبر کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کافر عورتوں کے ساتھ ۳ دن کے لئے حلال کیا تھا۔

[2] النوادر لابن عیسیٰ القمی ، ص: ۸۷.

شیعہ مذہب تضاد فکری پر مشتمل ہے

عاشوراء کی رات (شام غریباں) کو ابو عبداللہ عَلَیْہِ السَّلَام کی مصیبت کی یاد اور ان کے غم میں شرکت کی غرض سے نوحہ و ماتم کرنا، گریباں چاک کرنا، خون وخرابہ کرنا، سینہ کوبی کرنا اور گالوں پر تماچے لگانا یہ چیزیں بچپن سے ہمیں وراثت میں ملی تھی لیکن کسے توفیق تھی کہ ٹھنڈے دل سے سینے پر ہاتھ رکھ کر ایک لمحہ کے لئے غور وفکر کرے کہ کہیں ہم ڈھونگ تو نہیں رچا رہے ہیں۔ کیا اس میں قرآن وسنت سے کوئی مستند حجت موجود ہے اور جو ہم کر رہے ہیں نصوص شرعیہ اس کے کرنے کی اجازت دیتی ہیں یا نہیں۔

خاندان میں کوئی شخص دور دور تک غور وفکر کرتا ہوا دکھائی نہ دیتا تھا، سال گزرتے گئے اور عمر رفتار سے اپنا سفر کرتی رہی اور میں اسی خواب خرگوش میں مست زندگی کے قیمتی لمحات ضائع کرتا رہا۔ لیکن یکا یک میری زندگی کی کایا پلٹ گئی اور مجھے میرے ضمیر نے ملامت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ میں اچانک تبدیلی آنا شروع ہوگئی اور دیکھتے دیکھتے میری زندگی کی گاڑی سیدھی راہ پر گامزن ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ اہل سنت والجماعت کے زمرے میں شامل ہوکر میں نے سنت کی اتباع کو اپنا شیوۂ زندگی بنالیا۔

میں نے بے راہ روی کی زندگی گزاری لیکن ایسی زندگی گزارنا میرے وہم وخیال میں نہ تھا میں کبھی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ میں اوہام وخرافات کے اندھیرے میں رہ کر اپنی زندگی کے ایام گزاروں گا۔

ایک دفعہ شیعی عالم تبریزی سے جب حسینی شعائر یا فرائض کے متعلق پوچھا گیا کہ ان کی مشروعیت کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ ائمہ کرام کے دور میں شیعہ حضرات عقیدۂ تقیہ پر عمل

پیرا ہو کر زندگی گزارنے کے عادی تھے ان کے زمانے میں شعائر حسینیہ یا فرائض حسینیہ کے ناممکن ہونے کی وجہ سے اس کا وجود تک نہ تھا لیکن اس کی عدم موجودگی کو عدم مشروعیت کی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ شیعہ حضرات کو اگر شعائر کے اظہار کے امکانات میسر ہوتے تو وہ ضرور ان شعائر پر عمل درآمد کرتے۔ ❶

شیعہ علماء کے مستحسن اور مستحب قرار دینے پر کتاب وسنت سے کوئی نص صریح موجود نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے اسلاف کرام کا یہ شعار رہا ہے کہ وہ ان ایام میں کسی قسم کے رسم ورواج کی پابندی کریں۔

جو شخص بھی ائمہ آل بیت علیہم السلام اور قدیم علماء شیعہ کے اقوال وآثار کا مطالعہ کرے گا۔ اس پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ وہ اس قسم کے شعائر اور رسم ورواج کے خلاف تھے۔ چنانچہ ابن بابویہ قمی رقم طراز ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ بے نظیر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نوحہ وماتم جاہلیت کے شعائر میں سے ایک شعار ہے، یعنی یہ جاہلانہ عمل ہے جس کا اسلامی تہذیب وثقافت سے کوئی واسطہ نہیں۔ ❷

نوری طبرسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے: تین چیزوں کا شمار جاہلی اعمال میں ہوتا ہے اور قیامت قائم ہونے تک لوگ ان میں مبتلا رہیں گے ستاروں سے بارش ہونے یا نہ ہونے کی امید کرنا، حسب ونسب پر فخر کرنا، مردوں پر نوحہ ماتم کرنا۔" ❸

محمد باقر مجلسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کی تجہیز وتکفین کروں اور غسل دلا کر خوشبوؤں میں معطر کر کے انہیں تیار کروں جب ان کو غسل

---

❶ ملاحظہ ہو: امام خوئی کی کتاب "صراط النجاۃ" ص، ۵۶۲ دوسری جلد کا ضمیمہ

❷ من لا یحضرہ الفقیہ : ۴/۳۷۶.

❸ مستدرك الوسائل لطبرسی / ۱۴۳۱.

وغیرہ دلا کر تیار کر دیا گیا تو ارشاد فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ ان کو اپنے بازوؤں پر اٹھا کر لے چلو میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اٹھالیا اوران کو بقیع کے پاس لا کر نماز ادا کرنے کی غرض اپنے بازوؤں سے اتار کر رکھ دیا۔ ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبر میں اتارتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی رونا شروع کر دیا اور ایک کہرام مچ گیا عورتوں اور مردوں کے رونے کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوگئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لوگوں کی شدت کے ساتھ رونے سے منع کیا اور فرمایا کہ آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غمگین ہے اور ہم ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتے جس سے رب کریم ناراض ہوجائے اور ہم تمہاری موت سے شکستہ حال ہو چکے ہیں اور مارے غم کے نڈھال ہیں [1]

یہاں نوحہ و ماتم کی تردید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوٹوک موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اہم ترین فیصلہ کو ملاحظہ فرمائیں۔

اس موقع پر نوحہ کی حرمت کی تاکید کا بخوبی اندازہ لگائیں کہ آخر اس نوحہ کنانی اور گریہ زاری کو مستحب کس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے۔

شیعوں کے معتبر عالم طوسی، اور ابن حمزہ نے نوحہ و ماتم کی تحریم کی صراحت کی ہے حتیٰ کہ امام طوسی نے تو اس کی تحریم پر اپنے زمانے کے شیعوں کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور بڑے جزم کے ساتھ اس کی حرمت کو ثابت کیا ہے۔ [2]

شیعہ کی کتابوں میں صریح نصوص موجود ہیں کہ چہرے پر تھپڑ مارنا اور سینہ کوبی کرنا بدعت ہے جس کی انجام دہی نہ تو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ ہی اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی میسر ہوتی ہے اور نہ ہی ائمہ کرام میں سے کسی نے اس عمل پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا ہے۔

---

[1] بحارالانوار: ۸۲/۱۰۰-۱۰۱ [2] الذکریٰ للشهید الاول، ص: ۷۲.

چنانچہ امام باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ بدترین بے صبری یہ ہے کہ انسان چیخ چیخ کر اور صف ماتم بچھا کر اور اپنے آپ کو علی الاعلان کوس کوس کر غم کا اظہار کرے، گالوں پر تماچے مارتے ہوئے سینہ کوبی کرے، اور اپنی پیشانی کے بال نوچے لہٰذا جس شخص نے محفل عزاء منعقد کر کے نوحہ خوانی اور ماتم بازی کا اہتمام کیا اس نے بے صبری کا مظاہرہ کیا ہے اور اس نے راہ راست سے ہٹ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ [1]

تاریخ میں یہ روایت موجود ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنی بہن زینب علیہا السلام کو مخاطب کر کے فرمایا اے میری پیاری بہن، اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا، مصیبت پر صبر سے کام لینا اور کان کھول کر سن لے کہ اہل زمین میں سے ہر شخص کو مرنا ہے، اور اللہ کے علاوہ اہل آسمان کو بھی دوام نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے اس مخلوق کو محض اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اور اس مخلوق کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اللہ کی ذات منفرد اور یگانہ ہے میرے والد بزرگوار ہم سے بہتر ہیں اور میری ماں مجھ سے بہتر ہیں اور میرے بھائی حسن علیہ السلام مجھ سے بہتر ہیں اور مسلمانوں کے ہر فرد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اسوہ اور نمونہ ہے۔

اس قسم کے کلمات پند و نصائح کے ذریعہ حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی بہن کی ڈھارس بندھوائی اور پھر اپنی بہن کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے میری پیاری بہن! میں نے قسم کھالی ہے، لہٰذا میری قسم کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے اسے پورا کرنا میری قسم یہ ہے کہ اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو تم میرے مرنے پر گریباں چاک نہ کرنا نہ اپنے چہرے کو ناخنوں سے نوچنا اور نہ کوس کوس کر مجھے بدعا دینا۔'' [2]

محمد بن مکی عاملی جن کو شہید اول کے نام سے پکارا جاتا ہے سے امام طوسی نے یہ قول نقل

---

[1] رواہ الکلینی فی الکافی (۳/۲۲۲-۲۲۳) اسی طرح اس کو فیض الکاشانی نے اپنی کتاب ''الوافی'' میں ۱۳/۸۷ الحر العاملی نے اپنی کتاب ''وسائل الشیعہ'' میں ''۲/۹۱۵'' پر نقل کیا ہے۔

[2] الملھوف لابن طاووس، ص: ۵۰ اور منتھیٰ الآمال لعباس القمی: ۱/۴۸۱.

کیا ہے کہ چہرے پر تماچے مارنا، گالوں کو نوچنا اور بالوں کو اکھاڑنا حرام ہے یہ قول کتاب مبسوط میں موجود ہے جس میں مزید یہ بھی ہے کہ یہ محل قضاء وقدر پر اللہ ناراضی کا اظہار کرنا ہے، یعنی بندے کا اللہ کی قضاء وقدر پر جزع وفزع کرنا اللہ کی ناراضی مول لینے کے مترادف ہے۔ [1]

جہاں تک محرم میں کالا لباس زیب تن کرنے کا مسئلہ ہے تو اس میں امام علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہی کافی ہے کہ لوگو! کالا لباس مت پہنا کرو کیونکہ فرعون کا کالا لباس تھا)۔'' [2]

جب ان تمام روایات کو میں نے پڑھا اور اس تلخ حقیقت سے موازنہ کیا جس پر میں پروان چڑھا تھا اور اپنے اس موقف پر ناقدانہ نگاہ دوڑائی جس کو میں اہل بیت علیہ السلام کے ساتھ اپنی محبت کا پرتو گردانتا تھا تو میں حیرت واستعجاب کے عالم میں انگشت بدنداں رہ گیا کیونکہ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ عزاء داری اور نوحہ وماتم کے سلسلہ میں جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ خود فرامین رسول اور اقوال اہل بیت علیہ السلام کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔

............*

---

[1] ملاحظہ ہو: الذکریٰ ص (۷۲)۔

[2] من لایحضرہ الفقیہ : ۱/۱۶۳، ورسائل الشیعه : ۳/۲۷۸۔

جادوگر کامیاب نہیں ہوسکتا

بحرین کے قضیبہ [1] نامی علاقہ کا ایک شخص مریضوں کے روحانی علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں مشہور تھا وہ قرآن وسنت اور ادعیہ ماثورہ کی روشنی میں لوگوں کی پوشیدہ بیماریوں کے علاج ومعالجہ کا دعوے دار تھا۔

جب میں نے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ قبول کیا تو میرے اہل خانہ، دوست احباب اور علاوہ میرے قریبی رشتہ داروں نے انتھک کوشش کی کہ میں مرتد ہو جاؤں لیکن وہ مجھے مرتد کرنے میں ناکام ہوگئے تو انہوں نے مایوس ہوکر میرے خلاف پروپیگنڈے شروع کر دیے اور ہر طرح کے ہتھکنڈے بروئے کار لانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

مجھے بہکانے اور مجھے میرے پختہ عزم سے روک کر، مذہب شیعہ کی طرف قائل کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کو ذمہ داری سونپی گئی جس کو شیعوں کے نزدیک علم ومعرفت اور صلاح وتقویٰ کا حامل گردانا جاتا تھا چنانچہ اس شخص نے میرے قریب ہونا شروع کر دیا اور ہر فریب طریقہ سے مجھے اپنا تعارف کرایا کہ میں اس کا مطیع وفرمانبردار بن جاؤں اور آنکھ بند کر کے اس کی باتوں کے دام میں پھنس جاؤں اس نے سب سے پہلے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ میرے والد رحمہ اللہ کا لنگوٹیا یار ہے تاکہ میری توجہ اور ہمدردی اپنی طرف مبذول کر کے مجھے آسانی سے اپنے چنگل میں پھانس لے۔

---

[1] القضیبه: بحرین میں ایک مشہور علاقہ کا نام القضیبه ہے اور اس کا محل وقوع منامہ ہے جو میری جائے پیدائش اور میرا آبائی وطن ہے اور قدیم زمانہ میں منامہ سے متصل علاقہ کا مصیف خاص طور سے اہل محرق کا پکنک اسپارٹ بھی تھا کیونکہ وہاں کی آب وہوا بڑی پر لطف ہے بعض کبار لوگوں نے مجھے بتلایا ہے خاص طور سے میرے دادا اس مقام کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔

اس نے بعض چیزوں کی نشاندہی کی اور اپنے بعض قواعد وضوابط کی طرف اشارہ کیا ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اس نے میرے سامنے اچانک قرآن کریم کھولا اور بعض غیر معروف کلمات بدبدائے مجھے پتہ نہیں کہ اس نے کن کلمات کا ورد کیا پھر مجھ سے کہا اس آیت کی تلاوت کرو، میں نے اس آیت کی تلاوت کی اس کے خیال میں یہ ایک ایسی آیت تھی کہ جس کے ذریعہ وہ مجھے اس اقدام کے بارے میں وارننگ دینا چاہتا تھا جو میں نے سنی بن کرانجام دیا ہے۔

اس نے مجھ سے کہا کہ اس آیت کو آیت رحمت سے موسوم کیا جاتا ہے اگر تم نے اس پر اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کی تو یہ تمہارے لئے خیر وبرکت کی نوید ثابت ہوگی۔ جس رات تم اس آیت کو کئی مرتبہ اپنے کانوں سے سنوگے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ خیر وبرکت تمہاری قدم بوسی کے لئے تیار ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا جونہی میں اپنی کار پر سوار ہوا اور ریڈیو کھولا اسی آیت کی تلاوت ہورہی ہے جس کو میں نے اس شخص کے منہ سے سنا تھا۔

میں نے گاڑی سے آواز لگا کر اسے کہا کہ تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔میری آواز سن کر وہ شخص مسکرایا اور کہنے لگا: کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہے اور تمہاری زندگی میں کامیابی کے آثار نمایاں ہیں لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ تم اس آیت کو حرز جاں بنالو۔

جب میں گھر پہنچا تو میں نے ٹیلی ویژن کھولا اس پر بھی اسی آیت کی تلاوت جاری ہے جس کی اس آدمی نے مجھے تلقین کی تھی۔

میرے ذہن میں وہی خیال آیا جو اس شخص نے مجھ سے کہا تھا۔لہٰذا جلدی سے میں نے مصحف کھولا ور چابک دستی سے میں نے اس کی ورق گردانی کی تو وہی آیت میرے سامنے آ گئیجو اس شخص نے پڑھی تھی میں اس آیت کو اچانک دیکھ کر حیران رہ گیا کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ میری نیند اڑ گئی اور میں رات کو اس قصہ کی وجہ سے سو نہیں سکا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ میں

خوف و ہراس کا شکار ہو گیا یا اس بات کی تعجب خیزی تھی کہ اس شخص نے یہ کیا کرتب کیا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے اور کیسا کرتب ہے جس کی اثر پذیری کی وجہ سے یہ بات مکرر رونما ہو رہی ہے۔ میرے ذہن و دماغ پر یہ افکار و خیالات چھا گئے اور انہیں افکار و خیالات میں اُلجھ کر میں نے رات گزار دی کہ اس شخص کے قول کے مطابق کیوں کر رونما ہوا؟ اور میرے ساتھ یہ حادثہ کیوں پیش آیا اس کی کیا وجہ ہے اور اس کے پیچھے کیا کیا راز پنہاں ہیں یہ کس کا کرتب اور کس کی کرشمہ سازی ہے میں اس کے دام میں کیوں پھنس گیا وغیرہ۔

چند دنوں بعد اچانک میری ملاقات ایک دوست سے ہوگئی جو میرے علاقہ ہی کا رہنے والا تھا۔ اس نے مجھ سے برملا کہا کہ میں نے لوگوں سے سنا ہے اس شخص نے لوگوں میں یہ افواہ اڑا رکھی ہے کہ ابو خلیفہ قصیبی عنقریب مذہب اہل سنت والجماعت سے مرتد ہو کر شیعوں کے مذہب میں شامل ہو جائیں گے اور دوبارہ شیعوں کے رسم و رواج اور ان کے شعائر و واجبات کی پابندی کرنا شروع کر دیں گے اور اپنے سابقہ رنگ میں رنگ جائیں گے اس شخص کا کہنا تھا کہ مجھے اس کی اس بات پر ہنسی آ گئی اور میں نے کہا کہ کیا یہ شخص جادوگر ہے یا علم غیب جانتا ہے جبھی تو ایسی بات کہہ رہا ہے۔

اس کے بعد میں غور و خوض کرنے لگا...... بہت زیادہ غور و خوض کے بعد یہی سمجھ میں آیا کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ شخص جادوگر ہو۔

چنانچہ میں نے اپنے دوست کی کہی ہوئی اس بات میں، جو اس نے اس ڈھونگی کے بارے میں کہی اور اس بات میں جو ڈھونگی نے مجھ سے اس آیت کے بارے میں کہی تھی موازنہ کرنا شروع کر دیا کہ اس کی کیا وجہ ہے اس نے کہا تھا کہ تم آیت کریمہ کو رات میں بار بار سنو گے۔

میں نے اپنے والد کے دوست سے دریافت کیا کیونکہ وہ بھی میرے ہی علاقہ کے رہنے والے تھے انہوں نے مجھے صاف صاف یہ کہا کہ یہ شخص نیک نہیں بلکہ ڈھونگی ہے اس نے

جنات اپنے قبضہ میں کرر کھے ہیں جن سے یہ شعبدہ بازی کرواتا ہے۔

چنانچہ دن گزرتے گئے اور وہ شخص مجھے قائل کرنے کے چکر میں لگا رہا وہ مجھے یہ باور کراتا رہا کہ وہ میرا خیر خواہ ہے وہ مجھے نصیحت کرتا رہا کہ تمام تر خیر مذہب آل بیت علیہم السلام کی اتباع میں ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آل بیت علیہم السلام کو ان کی دروغ گوئی اور تہمت طرازی سے بری الذمہ قرار دیا ہے اور صحابہ کرام کو ان کی لاف وگزاف سے محفوظ و مامون رکھا ہے۔

لہٰذا میں نے سوچا کہ اس کا امتحان لیکر اس کے علمی وثقافتی پہلو سے آشنائی حاصل کی جائے اور تاکہ پتہ چلے کہ یہ کتنے پانی میں ہے اس سلسلہ میں کئی مرتبہ مختلف مجلسوں میں توحید وشرک کے موضوع میرا اس شخص سے مباحثہ ہوا اور میں نے اس کے اندرون خانہ کو ٹٹولنے کی کوشش کی۔ چنانچہ میں نے اس کو ان سوالات کے جوابات دینے میں عاجز محسوس کیا اور جو حقائق اس کی ذات کے بارے میں سامنے آئے تھے میں نے دلائل ساطعہ براہین قاطعہ کے سامنے اس کو بغلیں جھانکنے پر مجبور کر دیا اور اس کے سامنے اس موضوع پر جو باتیں کی گئیں اس کے جواب سے اس کو لاعلم اور لاتعلق پایا۔

چنانچہ ایک مجلس میں جس میں ایک بہت بڑی تعداد شریک تھی اور ہمارے علاقہ کے سنی حضرات بھی اس مجلس میں خاطر خواہ تعداد میں شریک تھے۔ ہم نے اس شخص کے سامنے شرک سے متعلق بعض سوالات رکھے اور میں نے عوام کے سامنے اس شخص کے ساتھ اس سے اپنی پہلی میٹنگ کا بھی تذکرہ کیا اور میں نے اس میٹنگ میں اس کے موقف کو بھی بیان کیا اس کے بعد ہوا یہ کہ اس نے میرے ایک سوال کا بھی جواب نہیں دیا بلکہ وہ میرے سوالات کے جوابات سے پورے طور پر بے بس نظر آنے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے مجلس سے راہ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی اور موقع پاتے ہی وہاں سے فرار ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی اس کے معاملہ کا رسوا کن پہلو عیاں ہو گیا اور لوگ اس کے

ڈھونگ سے بخوبی واقف ہو گئے۔

اس وقت مجھ کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آنے لگا کہ

﴿وَ لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى﴾ (طه:٦٩)

''جادو گر کہیں سے آئے کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ (النساء:٧٦)

''بلا شبہ شیطان کا فریب کمزور ہے۔''

لیکن میرے مدمقابل نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حتی المقدور علاقہ کے لوگوں کو مجھ سے متنفر کرنے کی کوشش کی تاکہ میری دعوتی تاثیر ختم ہو جائے اس نے لوگوں کو کہا کہ یہ ہم لوگوں سے مخلص نہیں ہے۔

مگر اس کی یہ کوششیں کارگر نہ ہو سکیں بلکہ خود اس کے لئے وبال جان بن گئیں اور لوگ اس کی ڈینگوں کو بھانپ گئے جس کی وجہ سے اس کی حقیقت کھل سامنے آ گئی اور لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ ڈھونگ رچا رہا ہے اس دن سے اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا اور باہر بہت کم دکھائی دینے لگا۔ اس کے بعد وہ پورے علاقہ میں جادوگر کے نام سے پکارا جانے لگا لہٰذا سر براہ اگر کوئی شخص اس کو مل جاتا تو اس سے بہانے کرنا شروع کر دیتا اور یہ دعویٰ کرنے لگتا کہ اس نے یہ عمل خیر کی نیت سے اپنایا ہے تاکہ لوگوں کی اس عمل کے ذریعہ خدمت کر سکے اور لوگوں کے درد کا مداوا بن سکے۔

ہمیں تعجب ہے کیا ان لوگوں نے آیت کریمہ کا مطالعہ نہیں کیا ان کو آیات کریمہ اور احادیث صریحہ کا ذرہ برابر علم نہیں جس میں جادو اور جادوگروں کی خوب خوب خبر لی گئی ہے اور جو جادو اور جادوگروں کے کفر کی صراحت میں واضح ہیں۔

لہٰذا اس شخص کو اس بات کا کیونکر حق پہنچتا ہے کہ واضح دلائل کو چھوڑ کر لوگوں پر عیب

جمانے کے لیے جادوگری اور شعبدہ بازی کا سہارا لے۔

ہمارے نزدیک ایسی بے شمار مستند روایات موجود ہیں: جن میں جادو کی بیخ کنی کی گئی ہے پہلی روایت یہ ہے ہلاک و برباد کردینے والی سات چیزوں سے بچو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ وہ سات چیزیں کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً جن سات چیزوں کا ذکر فرمایا اس میں شرک اور جادو سرفہرست تھیں۔'' ❶

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے دادا حضرت علی علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں جس شخص نے علم سحر سیکھا [چاہے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ] اس نے کفر کیا۔ ❷

امام علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے

''جو شخص کسی کاہن یا نجومی کے پاس جائے اور اس سے فریاد کرے اور وہ نجومی جو کہے وہ اس کی تصدیق بھی کرے اس نے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کیا۔ ❸

............*

---

❶ وسائل الشيعه (١٥/٣٣٠)، وبحار الانوار (٧٨/١١٣)۔

❷ وسائل الشيعه (١٧/١٤٨)، وبحار الانوار (٦٧/٢١٠)۔

❸ مستدرك الوسائل (١٣/١٠٠)۔

تعصب کی بنا پر قتل

جب تعصب اور تنگ نظری انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو لوگوں کے دلوں سے رحم و کرم اور اخلاق کا جنازہ نکل جاتا ہے پھر زندگی کے میدان میں ایسے ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں جن پر اگر ایک طرف ہنسی آتی ہے تو دوسری طرف رونا بھی آتا ہے، اسی طرح کے واقعات میں سے دو واقعات ایسے ہیں جن کا ذاتی طور پر، میں نے مشاہدہ کیا ہے ان میں سے ایک واقعہ تو میرے ساتھ پیش آیا ہے اور دوسرا واقعہ ایک ایسے چھوٹے سے معصوم بچے کے ساتھ پیش آیا جس کو ہمارے ان تعصّبات کی کوئی سمجھ بوجھ نہیں۔

قصہ یہ ہے کہ میں عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہا تھا کہ مجھے ایک عمر رسیدہ شیعہ عورت جس کو ام ابراہیم کے نام سے پکارا جاتا تھا، وہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو اچھی طرح جانتی تھی غالباً وہ مارکٹنگ کر کے آ رہی تھی کیونکہ اس کے ہاتھ میں کچھ شاپر تھے جن میں گھریلو ضروریات کا سامان تھا چنانچہ میں نے اس کو سلام کیا علیک سلیک کے بعد اس نے مجھ سے میرے، میری نانی، میری والدہ اور میری بہنوں کا حال پوچھا اس کے بعد از راہ ہمدردی میں نے اس کے ہاتھ سے شاپر پکڑے تاکہ اس کا بوجھ ہلکا ہو جائے اس کا گھر مسجد کے قریب ہی تھا۔ جب ہم اس کے گھر کے پاس پہنچے تو اس نے مجھ سے پوچھا تم کہاں سے آ رہے ہو۔ میں نے مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں اس مسجد سے آ رہا ہوں اس بڑھیا نے حیرت زدہ ہو کر کہا مسجد سے، اور مارے غصہ کے آگ بگولہ ہو گئی اور یہ کہتے ہوئے تھوک دیا اللہ تعالیٰ تمہارا منہ کالا کرے مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے شیعیت چھوڑ کر سنیت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ تم ایسا موقف اختیار کرنے کی جرات کر سکتے ہو۔

جہاں تک عمر بن علی نامی بچے کا قصہ ہے اس کے ایک چچا کی زبانی اس قصہ کو آپ ملاحظہ فرمائیں۔ اس بچے کے چچا کا کہنا ہے کہ عمر کی دادی عورتوں میں بڑی بوڑھی تھی اور قصبہ شہر کی رہنے والی تھی اس علاقہ کی شیعہ عورتوں سے اس کے اتنے گہرے راہ و رسم تھے کہ تمام عورتیں اس کے ساتھ مل کر مجلس عزا منایا کرتی تھیں ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس علاقہ کی عورتوں نے مل کر مجلس عزا منعقد کی۔ اتفاق سے اس دن اس بوڑھیا کے ساتھ اس کا پوتا بھی اس مجلس میں شریک تھا جس کا نام عمر تھا عمر ننھا منا، معصوم سا، بھولا بھالا بچہ تھا وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اسے ٹھیک سے اپنا نام تک لینا نہیں آتا تھا۔

جہاں مجلس عزا منعقد ہوئی تھی عمر اس عمارت کے صحن میں بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول تھا کھیل ہی کھیل میں وہ زمین پر گر پڑا اور اس نے رونا شروع کر دیا۔ وہاں موجود ہمارے علاقہ کی عورتوں میں سے ایک عورت نے بچے کو اٹھایا اس کو بہلانا اور چپ کرانا چاہا تا کہ رونا دھونا ختم ہو اور ماحول پرسکون ہو جائے اس عورت نے اس بچے سے پوچھا کہ بھئی تمہارا کیا نام ہے؟ بچے نے تتلاتی ہوئی زبان سے جواب دیا ''امل'' اس کی مراد یہ تھی کہ اس کا نام عمر ہے اس عورت کو اس کی زبان سمجھ میں نہیں آئی تو اس نے دوبارہ پوچھا کہ بیٹا تمہارا نام کیا ہے تو اس بچے نے وہی جواب دہرایا جو پہلے دیا تھا۔ اس وقت اس کی دادی آ گئی اس نے جواب دیا کہ اس کا نام عمر ہے اس نام کا سننا تھا کہ عورت نے سخت قسم کے ردعمل کا اظہار کیا اور اس معصوم بچے کو دھکا دے کر کہا: دور ہو جاؤ میری نظروں سے...... تم پر اور نعوذ باللہ عمر پر اور جس نے تمہارا نام رکھا اس پر اور اس کے بعد جو بھی اپنے بچے کو اس نام سے موسوم کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس کے بعد جب اس بچے کی دادی مجلس عزا سے واپس آئی تو اس نے اس قسم کی مجلسوں میں جانے سے توبہ کر لی اور پھر کبھی اس قسم کی مجالس عزا میں شرکت نہیں کی۔

اس عورت کی اس بدزبانی سے آل بیت علیہم السلام پر کیسی لعن و ملامت ہوتی ہے اس نے اپنی اس

حرکت سے یہ بھی محسوس نہیں کیا کہ اس نے کتنی بھونڈی غلطی کی ہے جس کا اس کو احساس تک نہیں ہے اس کم بخت کو کیا پتہ کہ عمر کا نام کتنا مبارک اور کتنا پیارا نام ہے چنانچہ امام طبرسی نے اپنی مشہور کتاب ''اعلام الوریٰ'' میں ۱/۲۱۳ میں لکھا ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام عمر تھا، اور امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے ایک بیٹے کا نام عمر رکھا تھا جیسا کہ شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب ''منتہی الآمال'' میں ۲/ ۵۹ پر لکھا ہے، اور اربلی نے اپنی کتاب ''کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ'' میں ۳/ ۳۱ پر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ امام موسیٰ کاظم کے ایک صاحبزادے تھے ان کا نام بھی عمر تھا یہ تعصب نہیں تو اور کیا ہے کہ عمر کا نام سن کر منہ سے نازیبا الفاظ نکالے جائیں۔ یہ کیسا اندھا تعصب ہے جو ان کو اوندھے منہ جہنم رسید کر دینا چاہتا ہے جو اہل بیت علیہم السلام پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر لعن وطعن کرتا ہے اس کا حشر کیا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کا پاس ولحاظ نہیں اس نے شریعت محمدیہ اور تعلیمات اسلامیہ کو پس پشت ڈال دیا ہے اور ہوائے نفس کا شکار ہو کر اسی کا اسیر اور غلام بن گیا ہے۔

❋......❋......❋

امام منتظر کا معمّا

اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی یہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک محل نزاع ہے کہ آخری زمانے میں امام مہدی عَلَیہِ السّلام کا خروج ہوگا یہ بات حتمی اور یقینی ہے امام مہدی عَلَیہِ السّلام کا ظہور ہوگا اور وہ آل بیت عَلَیہِ السّلام سے ہوں گے اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا تعلق بنی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوگا۔

ایک شیعہ ہونے کے ناطے میں صاحب الزمان نامی شخص کا دل دادہ تھا بچپن سے باور کرادیا گیا تھا کہ منتظر بہت سے القاب ہیں وہ حجۃ اللہ ہیں وہ القائم کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں اور وہ صاحب الزمان کے لقب سے بھی ملقب ہیں اور ان کو ابوصالح کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے اور وہ صاحب الامر بھی کہے جاتے ہیں وہ صاحب العصر کے لقب سے بھی بہرہ ور ہیں............لیکن یہ بات میرے وہم وگمان بھی نہ تھی کہ وہ شخصیت جس کا میں دلدادہ ہوں اور جس سے میری بڑی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ تھیں اور جو میری تمناؤں اور مرادوں کا مرجع تھی وہ محض ایک خیالی شخصیت ہے اور بس۔

امام غائب سے میری اندھی محبت نے مجھے کبھی اس زاویہ سے سوچنے کا موقعہ نہیں دیا تھا لیکن محض بحث وتحقیق اور طلب وجستجو کی وجہ سے میں اس حقیقت سے آشنا ہوسکا کہ ان القاب و آداب سے جس شخصیت کو موسوم کیا جارہا ہے وہ محض ایک خیالی ہے۔

صاحب الزمان کے لقب نے مجھے ہلا کر رکھ دیا:

ان اہم مسائل میں سے جس نے میرے افکار وخیالات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے ایک مسئلہ صاحب الزمان کا ہے جس کو علامہ نوری طبرسی نے اپنی کتاب النجم الثاقب میں احوال الامام

الحجۃ الغائب کے عنوان کے تحت سے لکھا ہے۔

علامہ نوری طبرسی تعارف سے بے نیاز ہیں ان کی تعارف میں یہی بات کافی ہے کہ شیخ عباس قمی ، شیخ آغا برزک طہرانی، شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء اور سید عبدالحسین شرف الدین الموسوی اوران جیسے جید شیعہ علماء نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔

علامہ نوری طبرسی نے صاحب الزمان کو ''خسرو مجوس'' کے لقب سے بھی موسوم کیا ہے یہ امام صاحب کا سنتالیسواں لقب ہے۔ [1]

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے امام کوخسرو مجوس کی صفت سے متصف کیا جائے؟ صاحب الزمان کا مجوس سے کیا تعلق ہے؟

شیعہ کے صاحب الزمان آخری زمانے میں نمودار ہوں گے تاکہ آل بیت علیہم السلام سے انتقام لے سکیں خصوصاً حضرت ابوبکراور عمر رضی اللہ عنہما سے جم کر بدلہ لیں حالانکہ یہ عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں جن کی خلافت میں ایران فتح ہوا ان کے عہد میں ایران میں اسلام پوری آب وتاب کے ساتھ شاہانہ انداز میں داخل ہوا جس کی وجہ سے تاریخ میں پہلی مرتبہ وہاں اذان کی آواز بلند ہوئی اور باجماعت نماز کا اجراء ہوا۔

علامہ مجلسی نے نوشجان بن بودمردان سے روایت کیا ہے کہ جب فرس کو قادسیہ سے نکال دیا گیا اور یزدگرد بن شہر یار کورستم کے حالات اورعربوں کے اس پر حاوی ہونے کا پتہ چلا اوراس کو یقین ہوگیا کہ رستم اورفرس سارے کے سارے ہلاک ہوگئے ہیں کیونکہ ایک خبر دینے والا آیا اوراس نے قادسیہ کی جنگ اوراس جنگ میں ۵۰۰۰۰/ مقتولین کے بارے میں یزدگرد بن شہر یار کوخبر دی تو یزدگرد دوڑادوڑا اپنے اہل خانہ کے پاس آیا اورایوان کے دروازے پر کھڑا ہوکر حسرت بھرے انداز میں یہ کلمات کہے السلام علیک ایھا الایوان۔ ایوان سلطنت فی الحال میں تجھے چھوڑ کر جارہا ہوں مگر میری اولاد میں سے ایک شخص دوبارہ آئے گا۔طوسی کا کہنا ہے کہ اس کے خروج کا زمانہ ابھی دور ہے۔

---

[1] النجم الثاقب (۱/۱۸۵)۔

سلیمان الدیلمی کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ سے دریافت کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے'' میں یا میری اولاد میں سے کوئی فرد واپس آئے گا'' ابوعبداللہ نے جواب دیا: اس سے مراد تمہارے وہ امام ہیں جو القائم بامراللہ کے لقب سے معروف ہوں گے اور میرے چھٹے بیٹے ہوں گے گویا وہ یزدگرد کے خون سے ہوں گے اور ان کو اس کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہوگا اور وہ دن انتقام کا دن ہوگا۔ [1]

یہ ہیں شیعہ کے صاحب الزمان بن یزدگرد جو اپنے آباء واجداد فر کی ہزیمت کا ان اہل اسلام کے سے بدلہ لیں گے جنہوں نے فارس فتح کیا تھا کیونکہ روایت کی الفاظ سے یہی بات سمجھ آتی ہے اور خسرو مجوس کے لقب سے بظاہر یہی سمجھ آتا ہے۔

چنانچہ محمد بن ابراہیم النعمانی کی کتاب الغیبہ ، ص:۲۳۴ میں ابوعبداللہ کا کہنا ہے کہ جب قائم بامراللہ کا خروج ہوگا تو ان کے اور قریش عرب کے درمیان تلواریں نکل آئیں گی اور تلوار کے علاوہ ان کے پاس کوئی حل نہ ہوگا۔

عرب اور قریش کے بارہ میں یہ سب کینہ اور بعض کے لیے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر امام منتظر روا رکھیں گے۔

حتیٰ کہ روایات سے یہ بھی صراحت ہوتی ہے کہ قائم بامراللہ عرب قبائل میں سے ستر قبیلوں کا خون وخرابہ کریں گے۔ [1]

اس مختصر سے تجزیہ کے بعد ہماری آپ سے گزارش ہے کہ اس حقیقت کا جس کو میں نے ابھی بیان کیا اور ان حقائق کا جن کو میں پہلے بیان کر چکا ہوں، خسرو مجوس کے القاب سے ذرا تقابلی موازنہ کریں اور اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ خسرو مجوس کے دادا نے مسلمانوں کو دھمکی دی ہے جنہوں نے اس کے باپ دادا کو فارس سے نکالا تھا اور ان کو تاخت وتاراج

---

[1] بحارالانوار(۵۱/ ۱۶۳-۱۶۴)۔

[2] بحار الانوار: ۵۲/ ۳۳۳، ھامش(۱)

کیا تھا اور یہ باور کیجئے کہ صاحب الزمان کی آمد قریب ہے جو مسلمانوں سے اپنے دادا کا انتقام لیں گے۔

شیعہ مذہب کے یہ وہ حقائق ہیں جو عقل و دانش سے بہرہ ور انسان کے سر پر بجلی گرانے کے مترادف ہیں۔

❋......❋......❋

ایک افسانے کی تصدیق

ہمیں بچپن میں ایک قصہ لوریاں دے دے کر سنایا گیا ہے جو ہمارے ذہن ودماغ میں جاگزیں ہوگیا ہے جس پر میں سادہ لوحی کی وجہ سے اس پر مہر تصدیق بھی ثبت کردی ہے۔
انہوں نے مجھے بچپن ہی سے ایک قصہ پڑھا رکھا تھا جس کی میں نے سوچنے سمجھنے اور عقل کی کسوٹی پر کھنے کے بغیر ہی تصدیق کردی کیونکہ میں اسی قدر کرسکتا تھا۔ قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ امام عسکری نے بشر بن سلیمان النخاس کو بلا بھیجا جب وہ آ گئے تو انہوں نے بشر بن نحاس سے کہا کہ میں تم کو ایک ایسا راز بتانے جا رہا ہوں جس کی کسی کو کانوں کان خبر تک نہ پہنچی ہوگی چنانچہ انہوں نے ان کو رومی زبان میں ایک خط لکھ کر دیا جس پر اپنی مہر بھی ثبت فرمادی ان کو دوسوبیس دینار بھی دیئے اور ان سے کہا کہ یہ رقم لے کر بغداد چلے جاؤ وہاں تم کو غاس کے بازار میں پہنچنا ہے جب تم وہاں پہنچو گے تو تم کو ایک شخص ملے گا جس کا نام عمرو بن یزید النحاس ہوگا اس کے پاس بہت سی لونڈیاں ہوں گی ان میں سے ایک لونڈی ایسی ایسی ہوگی انہوں نے اس لونڈی کے اوصاف بیان کر کے امام بشر کو آگاہ کردیا اور یہ بھی بتلادیا کہ وہ لوگوں سے بات نہیں کرتی ہوگی بلکہ آدمیوں سے دور دور رہتی ہوگی اگر اس پر تمہاری نظر پڑ جائے تو اس کو میرا یہ خط دکھا دینا۔

چنانچہ بشر بغداد پہنچے اور ان کو امام کی نصیحت کے مطابق اسی صورتحال سے سابقہ پڑا لہذا انہوں نے امام کی وصیت کے مطابق اس لونڈی کے ہاتھ میں امام عسکری کا خط دیدیا اس لونڈی نے جب اس خط کو پڑھا تو بے ساختہ رونا شروع کردیا اور عمرو بن یزید سے کہا کہ اس خط والے کے ہاتھ مجھے فروخت کردو پھر بشر نے جب اسے خرید لیا تو اس سے اس کے رونے کا

سبب دریافت کیا۔لونڈی نے جواب دیا کہ اس کا نام ملیکہ بنت دشوعا بن قیصر ہے یعنی وہ شاہ روم کی بیٹی ہے اور اس کی ماں کا شجرہ نسب حضرت مسیح علیہ السلام کے وصی شمعون بن حمون بن صفا سے جا کر مل جاتا ہے۔

پھراس باندی نے اپنے دادا قیصر شاہ روم کے بارے میں عجیب وغریب قصہ بیان کیا کہ قیصر نے اپنے بھتیجے کے ساتھ اس کی شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا مگراس باندی نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں وصی کے لئے اس باندی کا پیغام نکاح لیکر حاضر ہوئے ہیں اس نے خواب میں حضرت فاطمہ الزہرا اور مریم بنت عمران علیہا السلام کو جنت کی ہزار حوروں کی معیت میں دیکھا اس نے امام عسکری کی بھی خواب میں زیارت کی اورانہوں نے اس کو خوشخبری دی کہ اس کے دادا فلاں فلاں تاریخ کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے لشکر روانہ کریں گے اس لئے تجھ کو چاہئے کہ تو اس لشکر میں بطور خدم وحشم شامل ہو جا اگر چہ وہ بادل ناخواستہ ہی کیوں نہ ہو اس کے بعد وہ جنگ میں قید ہو گئی باندی کے ضمن میں بازار میں لاکر بیچی گئی واللہ اعلم بالصواب۔

یہ ام زمان کا قصہ مختصر ہے جو اپنے طرز بیان میں فلمی قصوں سے کچھ کم نہیں یہ قصہ عقیدۂ اسلامیہ سے ذرہ برابر تعلق نہیں رکھتا عقیدہ مسلم کی بنیاد قرآن وسنت ہے اور قرآن تو اس لئے اترا ہے کہ مسلمانوں کی عقلوں کو اس قسم کی خرافات اور اس طرح کے گھڑے ہوئے قصوں کی آلودگی سے پاک وصاف کردے اوران کی عقل ودانش کو علم ومعرفت کے نور سے مزین کردے۔

جہاں تک نرگس نامی اس لونڈی کے امید سے ہونے کا تعلق ہے کہ وہ کس طرح صاحب الزمان کے سلسلہ میں امید سے ہوں گی اس بارے میں آپ اس روایت کا مطالعہ کریں جس کو عباس قمی نے منتھیٰ الآمال میں اوران کے علاوہ دوسرے مذہبی علماء نے روایت کیا ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے: ہم اوصیاء لوگوں کا حمل پیٹ میں نہیں بلکہ پہلو میں ٹھہرتا ہے، ہم رحم مادر سے نہیں پیدا ہوتے بلکہ داہنی ران سے ہماری ولادت ہوتی ہے ہماری مائیں ہم کو اس وصف کے ساتھ جنا کرتی ہیں کیونکہ ہم اللہ کے نور سے حاصل ہیں ہمارے پاس نجاست اور آلودگی پھٹک نہیں سکتی۔

ہمارا شیعوں سے سوال ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ولادت تو رحم مادر سے ہوتی ہے تمہارے اوصیاء اس بنیاد پر سے کیسے مبرا ہو سکتے ہیں آخر یہ کون سا اسلام ہے جو اس طرح کی بکواس کرنے کی اجازت فراہم کرتا ہے اور تم کو اس طرح کی ڈینگیں مارنے کی شہ دیتا ہے اور تمہارے اس جھوٹ پر رضا مندی کا اظہار کرتا ہے۔

جہاں تک صاحب الزمان کی ولادت کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں روایات اس طرح وارد ہوئی ہیں کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو پہلے ایک چمک دار روشنی نمودار ہوئی جس نے افق کو نور سے بھر دیا اور آسمان تک روشنی ہی روشنی ہوگئی اور میں نے سفید سفید چڑیوں کو آسمان سے اترتے دیکھا جو امام صاحب کے سر اور چہرے کو اپنے بازوؤں سے پونچھتی تھیں آپ کے جسم کو صاف کرتی تھیں اور اڑ جاتی تھیں اس ماجرے کو دیکھ کر ابو محمد الحسن علیہ السلام زور سے چیخ پڑے اور اپنی پھوپھی کو پکار کر کہنے لگے پھوپھی جان یہ پرند مجھے پکڑ کر دے دیجئے۔ چنانچہ ان کی پھوپھی نے اسے پکڑ کر مجھے بھجوا دیا، تو دیکھتا کیا ہوں کہ وہ مختون ہے اور اس کی نال کٹی ہوئی ہے اور غسل دیا ہوا صاف وشفاف ہے اور اس کے داہنے بازو پر لکھا ہوا ہے "جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا" [1]

اور وہ شریعت جس کے بموجب صاحب الزمان حکومت کریں گے وہ شریعت اسلامیہ کے علاوہ کوئی اور شریعت ہوگی۔ ابن ابو یہ القمی اپنی کتاب "الاعتقادات" میں لکھتا ہے کہ

"جب مہدی کا ظہور ہوگا تو وہ سب سے پہلے شریعت اسلامیہ کا الغا کریں گے

[1] منتهى الآمال: لعباس القمي: ٢/٥٦١۔

میراث وغیرہ کے احکامات کالعدم قرار دیدیئے جائیں گے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں لوگوں کی جسم سازی سے دو ہزار سال پہلے روحوں کو ایک دوسرے سے آشنا کروادیا دیا تھا۔ لہٰذا جب ہمارے امام قائم کا دور آئے گا تو وہی بھائی وارث قرار پائے گا جن کے درمیان عالم ارواح میں مواخات ہوئی تھی اور حقیقی بھائی جو کہ ایک ماں اور باپ کی اولاد ہوں گے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔'' ❶

صاحب الزمان ایسے نوجوانوں کو قتل کردیں گے جن کی عمر ۲۰ سال ہوجائے اور وہ دین کی سمجھ بوجھ سے عاری ہوں گے اور ان کو تفقہ فی الدین حاصل نہ ہوگا۔ ❷

اور صاحب الزمان آل داؤد کی شریعت کے مطابق حکومت کریں گے ان کو محمد اور آل محمد کی شریعت سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ شیعوں کی روایات میں یہ بھی صراحت وارد ہوئی ہے کہ جب آل محمد برسراقتدار آئیں گے تو وہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی شریعت کے مطابق حکومت کریں گے اور ان کے لئے دلیل وحجت پیش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ❸ ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کے ساتھ بھی صراحت ملتی ہے کہ آل محمد میں سے جب کوئی برسراقتدار آئے گا تو وہ آل داؤد علیہ السلام کی شریعت کی بنیاد پر حکومت کرے گا اور اسے کسی دلیل وحجت کی ضرورت نہ ہوگی۔ ❹

ان تمام افکار منحرفہ اور عقائد باطلہ کا لب لباب یہ ہے کہ شیعہ حضرات مہدی علیہ السلام کے بارے میں لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ قرآن وسنت کی تحکیم کو کالعدم قرار دے

---

❶ الاعتقادات ص : ۸۳۔

❷ اعلام الوریٰ للطبرسی ، ص: ٤٣١۔ بحار الانوار : ١٥٢/٥٢.

❸ اصول الکافی: ۳۹۷/۱۔

❹ الارشاد للمفید ، ص : ٤١٣ ، واعلام الوریٰ للطبرسی ، ص : ٤٣٣۔

کر اس کی جگہ دوسری الہامی کتاب کی تحکیم کا اجراء کریں گے جس کی طرف شیعہ عالم النعمانی کی ابوبصیر سے روایت شدہ یہ تصریح دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ نعمانی لکھتا ہے کہ ابوجعفر علیہ السلام نئی شریعت نئی کتاب، نئے اصول اور نئے قوانین لے کر برسر اقتدار آئیں گے [1] گویا میں صاحب الزمان کو رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ [2]

حتی کہ امام مہدی کے تصرفات اور دست برد سے مقدسات اسلامیہ بھی نہیں بچ پائیں گے۔ جیسا کہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب الزمان ہے آئیں گے اور مسجد حرام کے توسیع شدہ حصہ کو ڈھادیں گے اور اس کے اساسی حصہ کو باقی رکھیں گے، اسی طرح وہ مسجد نبوی کو اساسی حصہ پر استوار کریں گے اور اس کا توسیع شدہ حصہ گرادیں گے اور بیت اللہ کو اپنی بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اس کی تعمیر نو کریں گے۔ [3]

............*

---

1. الغيبة للنعمانی ،ص : ١٥٤ ، وبحار الانوار : ٣٥٤/٥٢.۔
2. الغيبة للنعمانی ،ص : ٢٨٢ ، وبحار الانوار : ١٣٥/٥٢۔
3. الغيبة للطوسی ،ص ٢٨٢ ، وبحار الانوار : ٣٣٨/٥٢۔

یاد رہے کہ شیعہ عقائد کے مطابق بیت اللہ کو اصل واساس پر استوار کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خانہ کعبہ، مکہ مکرمہ ہی میں ہوگا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیت اللہ کی جہت ہی تبدیل کر دیں گے اور حجر اسود کو اکھاڑ کر کربلا میں لا چسپاں کریں گے (معاذ اللہ)

صاحب زمان غایب کیوں؟

صاحب الزماں کی شخصیت کے وجود کا اعتقاد رکھنے والے اس قسم کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ چند اسباب وعلل ہیں جو صاحب الزماں کے ظہور میں مانع ہیں جیسے ہی ان اسباب وعلل کا ازالہ ہوگا صاحب الزماں ظہور پذیر ہو جائیں گے۔

امام مہدی کے ظہور ہیں مانع علل واسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ صاحب الزمان کے اوران کے وقت ظہور کے درمیان کوئی مانع نہیں ہے البتہ ان کو خوف اس بات کا ہے کہیں انہیں قتل نہ کردیا جائے اسی وجہ سے وہ پردہ پوش ہیں کیونکہ اگراس کے علاوہ کوئی اور علت ہوتی توان کے لئے پردہ پوش ہونے کا کوئی جواز نہ ہوتا پردہ پوشی کی حالت میں صعوبتیں اورمشقتیں برداشت کررہے ہیں کیونکہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام اللہ کی خاطر مشقتیں برداشت کرتے ہیں جس سے ان کی قدرومنزلت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حالانکہ صاحب الزمان کے آباء واجداد کی سیرت وسوانح تمام لوگوں کے سامنے ظاہر اورعیاں ہیں وہ لوگوں کے درمیان اپنے مشن پر بحسن وخوبی گامزن ہے اورلوگوں کے ساتھ گھل مل کرزندگیاں گزاریں ہیں اورانہیں کسی شخص سے اس قسم کا خطرہ لاحق نہیں ہوا تو صاحب الزمان کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں ہے۔

جولوگ صاحب الزمان کے وجود کا اعتقاد رکھتے ہیں ان سے بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں جس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکی دور کے ابتدائی مرحلہ میں اس خوف سے کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوقتل نہ کردیا جائے روپوش رہا کرتے تھے اسی پر قیاس کرتے ہوئے انہوں نے صاحب الزمان کے روپوش ہونے کا جواز فراہم کیا ہے۔

ایک روایت کو مجلسی نے البحار: ۱۸/ ۱۷۶ پر حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں خوف وہراس کے عالم میں پانچ سال تک روپوش رہے خوف کا عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ باہر نہیں نکلتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام اور بی بی خدیجہ آپ ﷺ کے ساتھ تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ دعوت وتبلیغ کا فریضہ علی الاعلان انجام دینا شروع کردیں اس طرح آپ ﷺ منظر عام پر آئے اور آپ ﷺ کی دعوت کا غلغلہ بلند ہوا۔

مجلسی نے اپنی کتاب البحار میں ۱۸/ ۱۷۷ پر حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وحی کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ۱۳ سال کا عرصہ گزارا ہے ان سالوں میں سے تین سال آپ ﷺ نے مارے خوف وہراس کے روپوش ہوکر گزارے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا کہ تم کو جس بات کا حکم دیا جارہا اسے تم علی الاعلان بیان کرو اس وقت دعوت وتبلیغ کا معاملہ کھل کر سامنے آیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شیعی روایات ہیں جو ایک ہی معنی اور مفہوم سے عبارت ہیں، لہٰذا ہم نے اختصار کے مدنظر انہیں نظر انداز کردیا ہے۔

ہمارا شیعوں سے کہنا یہ ہے کہ اس طرح کا قیاس جو تم نے نبی کریم ﷺ اور صاحب الزمان کے درمیان روا رکھا ہے قیاس مع الفارق کہلاتا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے جس کی بہت سی وجوہات ہیں یہاں پر بغرض استفادہ ان میں سے چند کا مختصراً تذکرہ کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کی توفیق عطاء فرمائے [آمین]۔

...... رسول اللہ ﷺ لوگوں کی نگاہوں سے مکمل طور پر روپوش نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ ﷺ نے دعوت وتبلیغ کو مصلحتاً پوشیدہ طور پر انجام دینا شروع کردیا تھا۔

......اس محدود مدت میں آپ ﷺ کے ساتھ چند اشخاص اور بھی موجود تھے جن میں آپ کی بیوی حضرت خدیجہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے لیکن جن کو شیعہ حضرات

مہدی غائب کے نام سے موسوم کرتے ہیں ذرا ہمیں بتلایا جائے کہ ان کی مصاحبت میں کون ہے۔ اگر وہ روپوش ہیں تو ان کی مرافقت میں کوئی نہ کوئی ہونا چاہئے کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کی مصاحبت میں تو لوگ موجود تھے، لہٰذا معلوم ہوا کہ تمہارا قیاس ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔

▤ ......تمہارا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ) روپوش ہوگئے تھےلیکن ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک محدود مدت تک سری طور پر دعوت کا کام کرتے رہے اس کے بعد آپ ﷺ ظاہر ہوکر سامنے آگئے لیکن آپ ﷺ نے جس مدت میں سری طور پر دعوت کا اسلوب اپنایا تو اس میں بھی حکمت الٰہی پنہاں ہے۔ وہ یہ کہ اس مدت میں آپ ﷺ نے اپنے جانثاروں کی ایک ٹیم تیار کرلی جو تبلیغ ودعوت کے میدان میں آپ ﷺ کے مدد ومعاون تھے لیکن جہاں تک شیعوں کے امام مہدی کا تعلق ہے تو وہ روپوش ہیں اوران کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے نہ کوئی ان کا معاون ہے اور نہ کوئی ان کا متبع ومصاحب ہے اگر چہ شیعہ امامیہ اپنے آپ کو ان کا متبع اور پیروکار کہلاتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ شیعہ امامیہ ان کی پیروی کا اس وقت سے دم بھرتے چلے آئے ہیں جس وقت سے وہ روپوش ہوئے ہیں اور اس وقت ان کی تعداد کروڑوں میں ہے کیا اتنی بڑی تعداد ان کے تعاون اوران کی مدد کے لئے کافی نہیں اس کے باوجود امام مہدی روپوش کیوں ہیں، نکل کر منظر عام پر کیوں نہیں آتے، حالات کا تقاضا یہ ہے وہ نکل کر آئیں اور امن وامان قائم کریں اور اتنی بڑی خلق خدا کے ساتھ منظّم طور پر اپنے مشن کا اجراء کریں اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کریں اس لئے یہ بات یقین اور پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شیعوں کے نزدیک امام مہدی کی شخصیت محض خیالی ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ایک بار ٹیلی ویژن پر امام مہدی کے وجود، ان کی اصل حقیقت اور ان کے روپوش ہوجانے کے بارے میں ایک پروگرام دیکھا تھا جس میں ان حقائق کے بارے میں مباحثہ دکھایا گیا تھا۔ اس میں دو فریق تھے ایک تو امام مہدی کے وجود کا قائل تھا اور دوسرے فریق کا کہنا تھا کہ امام مہدی کا وجود ہی نہیں ہے مزے کی بات تو یہ ہے کہ دونوں فریق شیعہ برادری سے تعلق رکھنے والے تھے۔

جو فریق امام مہدی کے وجود کا قائل نہیں تھا اس نے زیر بحث مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کی کہ امام مہدی کے وجود کے بارے میں جو روایات اور آثار وارد ہوئے ہیں اور ان کے روپوش ہونے کے بارے میں جن اسباب وعلل کا سہارا لیا گیا ہے اگر بالفرض ان کو تسلیم کرلیا جائے تو ان کا لب لباب یہی نکلتا ہے کہ امام مہدی اس لئے روپوش ہوگئے ہیں کہ ان کو خوف تھا کہ عباسیوں کے ہاتھوں ان کا قتل نہ ہوجائے لیکن حیرت اور استعجاب کی بات یہ ہے کہ ہم لوگ میڈیا کے دور میں قدم رنجاں ہوچکے ہیں اس کے باوجود امام مہدی ٹیلی ویژن کے اسکرین پر نظر کیوں نہیں آتے یا کم از کم تصویر اور آواز کے ساتھ ویڈیو کیسٹ ہی بنوا کر ان لوگوں کے حوالے کردیتے جو وقفے وقفے کے بعد اس بات کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ انہوں نے امام مہدی کو دیکھا ہے یا ان سے جا کر ملے ہیں تاکہ پورے عالم کے لئے امام مہدی کے وجود کا ثبوت فراہم ہوجاتا یا کم از کم لوگوں کو اس بات کا یقین ہوجاتا کہ امام مہدی موجود ہیں اور ان کے سامنے یہ بات واضح ہوکر عیاں ہوجاتی کہ ان کی شخصیت محض وہم وخیال نہیں ہے اور نہ ہی کوئی قصہ وکہانی ہے۔ تاکہ شیعوں کی روایات اور ان کے نصوص کی توثیق وتاکید ہوجاتی اور اس کے ثبوت کا جواز فراہم ہوجاتا بہت سی سیاسی خلاف ورزیاں کرنے والی شخصیات کا حال ہے جو کہ ملک چھوڑ کر فرار اختیار کرلیتے ہیں اور ملک سے باہر بیٹھ کر میڈیا کے ذریعہ حکام وقت سے ٹکر لیتے رہتے ہیں اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اپنی ویڈیو کیسٹ جاری کروادیا کرتے ہیں جس سے ان کی لیڈر شپ قائم ودائم رہتی ہے۔

محمد حسین فضل اللہ سے برتاؤ

جو شخص شیعوں کی حقیقت سے واقف اور ان کے تاریخی پس منظر سے باخبر ہوگا اسے اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہوگا کہ ان کے اندر ایک لمبے جمود اور تعطل کے بعد بیداری و آگہی نے انگڑائی لینا شروع کی ہے۔

مذہب شیعہ میں غلو پر نقد کرنے والی جراتمند شخصیتوں کے نام ابھر کر سامنے آئے ہیں جنہوں نے اپنے مذہب کی ان روایات کی چھان بین اور تحقیق و تدقیق کا کام شروع کر دیا ہے مجالس عزا و ماتم کے وقت مقررین کو جن کی ضرورت درپیش ہوتی ہے متعصب قسم کے شیعوں یا ان کے مشائخ کی طرف سے بغیر کسی تحقیق و تمحیص کے جن میں روزانہ اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے دراصل واعظین وہ لوگ ہیں جو روایات کو گھڑ گھڑ کر ائمہ کرام اور آل بیت علیہم السلام کی طرف منسوب کرنے کے عادی ہیں۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے اس میدان میں آیت اللہ العظمیٰ ابوالفضل البرقعی اور احمد کسروی، علامہ خوینی، ڈاکٹر موسی الموسوی، محمد الیاسری اور احمد الکاتب کے نام شہ سرخیوں میں لئے جاتے تھے اور آج ان کی جگہ آیۃ اللہ العظمیٰ محمد حسین فضل اللہ نے لے لی ہے۔

سید فضل اللہ نے اس بات کا بخوبی ادراک کر لیا ہے کہ عقائد اور تاریخ کے بارے میں پیش کئے گئے بعض وہ مقالات جن کی ثقاہت کے حوالے سے ماضی میں انداز اختیار کیا کرتے تھے اور جن کی تاویلات میں اپنا وقت صرف کیا کرتے تھے اور جس کی دعوت و تبلیغ میں کوشاں

---

(1) حسین فضل اللہ سے شیعوں کے نزدیک مرجع کی حیثیت رکھنے والے لبنانی عالم ہیں جن کے پوری دنیا میں بہت سے مقلدین ہیں جو ان کی اتباع اور پیروی کے قائل ہیں۔

رہا کرتے تھے آج ان کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ اس شخصیت کی طرف سے حقیقت کی نقاب کشائی ہے جس کو شیعوں کے نزدیک جید داعی اور ممتاز رہنما ہونے کا شرف حاصل ہے۔

چنانچہ سید فضل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں شیعہ کی طرف سے کی گئی دروغ گوئی کے متعلق بحث و تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب سراسر تہمت طرازی ہے جن روایات کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو زدوکوب کیا گیا اور ان کے حمل کو ساقط کروادیا گیا۔ سید صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ سب سراسر تہمت طرازی ہے، نیز سید فضل اللہ کا یہ انکشاف ہے کہ اس قسم کے بیانات کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت افواہ بازی سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں۔

اس حق گوئی کی وجہ سے سید فضل اللہ کو مدمقابل کی طرف سے ایذاء رسانی کی کوششیں کی گئیں لیکن انہوں نے ان کی طرف سے دی گئی ایذا و تکلیف کو برداشت بھی کیا بلکہ ان کی گمراہی اور کجروی کے ثبوت کے لئے فتاوی بھی نکالے گئے اس سے بھی ایک قدم آگے ان کی تکفیر کا فتوی دے کر انہیں کفار کے زمرے میں شامل کردیا گیا۔

سید فضل اللہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا پر ظلم و زیادتی کے قصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ذرا تم اس بارے میں فہم وادراک سے کام لے کر سوچو کہ اگر کوئی شخص تمہارے پاس آئے اور تمہاری بیوی کی آبروریزی کرے اور اس کو مارنے کی کوشش کرے تو کیا تم اپنے گھر میں حجرے کے اندر بیٹھے تماشہ دیکھتے رہو گے اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہتے ہوئے چپ ہوجاؤ گے یا تم بھی اس شخص پر حملہ آور ہوجاؤ گے جو تمہاری بیوی کو مارنے یا اس پر حملہ کرنے کی غرض سے تمہارے گھر میں گھس آیا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں جن کی دلیری کا پوری دنیا پر سکہ بیٹھا ہوا تھا ایسا جوانمرد شخص لوگوں کو فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر اس وحشیانہ طور با آسانی حملہ کے لئے

چھوڑ دے گا اور خود گھر میں دم دبا کر نعوذ باللہ بیٹھ رہے گا اور لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم' کہنے پر اکتفا کرے گا کیا تم میں سے کوئی شخص ایسی صورتحال میں یہ رویہ اپنانا گوارا کرے گا، ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو ایسی صورتحال میں یہ بزدلانہ موقف اختیار کرے گا۔ ❶

سید فضل اللہ فرماتے ہیں کہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کیوں دروازہ کھولنے لگیں......ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور وفکر کرو کہ اگر تم گھر میں موجود ہو اور تمہاری بیوی بھی تمہارے ساتھ ہو اور کوئی شخص آ کر دروازہ کھٹکھٹائے، خاص طور سے اگر تم کو پتہ ہو کہ تمہاری گرفتاری کے لئے آ رہے ہیں تو کیا تم اس موقع سے اپنی بیوی سے کہو گے کہ تم نکل کر دیکھو معاملہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بزدل ہیں اور ان کے پاس غیرت وحمیت کا فقدان ہے اور وہ اسلامی غیرت وحمیت سے عاری ہیں شیعوں کا کہنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں کوئی معرکہ سر نہیں کریں اور نہ اپنی بیوی کی طرف سے کسی قسم کی مدافعت کریں گے۔ ❷

کتاب وسنت کے نصوص میں تدبر وتفکر کے بعد اعتقادی میدان میں جو جرات مندانہ وضاحتیں سید حسین فضل اللہ سے وارد ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام کی صحت کے لئے امامت یا بندوں کے اعمال کی قبولیت شرط نہیں ہے یہ تو ایک شخصی یا انفرادی نظریہ ہے جو بعض مسلمانوں کے ذہن ودماغ پر چھایا ہوا ہے مسلمانوں کی غالب اکثریت اس نظریہ کی اثر پذیری کی قائل نہیں ہے اور جہاں تک امامت کا معاملہ ہے تو وہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس میں توثیق اور تضعیف دونوں کا امکان ہے۔

جن مسائل میں سید فضل اللہ درستی پر نظر آتے ہیں وہ علم غیب کا مسئلہ ہے عقیدہ غیب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ الحوزۃ العلمیہ تدین الانحراف، ص: ۲۷۔۲۸۔ ❷ انظر: المصدر السابق نفسہ۔

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۠﴾ (الانعام:۵۰)

''اے نبی ﷺ آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں علم غیب کا حامل ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور اے نبی ﷺ آپ فرما دیجئے کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتا ہے کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔''

آیت مذکورہ کی تفسیر میں سیّد فضل اللہ رقم طراز ہیں کہ یہ آیت واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ علم غیب کے حامل نہیں تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی سے یہ کام لینا تھا کہ اللہ کے نبی ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوکر انسانوں کے دلوں میں پوشیدہ راز بیان کر کے ایک دوسرے کو غیب سے آگاہ کریں اور لوگوں کو مستقبل میں پیش آنے والے حادثات اور آئندہ رونما ہونے والے واقعات کے سلسلہ میں پیشین گوئی کریں مگر جیسا کہ بہت سے لوگ اس کو رسول ﷺ کی امتیازی شان تصور کرتے ہیں انہوں نے اپنے اس تصور کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو نجومی یا کاہن کے مرتبہ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ [1]

بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں کہنا پڑ رہا ہے کہ لوگوں نے اس علمی پیشکش کو دھیان سے سنا تک نہیں اور نہ ہی اس میں تدبر و تفکر کی کوشش کی۔ اس بحث و تحقیق کے بعد سید فضل اللہ جس نتیجہ پر پہنچے اس کو انہوں نے بڑی سنجیدگی و متانت کے ساتھ پیش کیا ہے اور میانہ روی کے ساتھ شیعوں کی فاش غلطیوں کا جواب دیا ہے آپ پر شیعہ نے گمراہی اور کجروی کے الزمات لگا کر خوب بدنام کرنے کی کوشش کی۔

---

[1] تفسیر من وحی القرآن (الانعام : ۵۰)۔

توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰىO﴾

(طه : ۸۲)

''بلاشبہ میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں۔''

جس صورتحال سے آپ کو آگاہ کیا گیا ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے حقائق ہیں جنہیں ایک ایک کر کے ذکر کرنے کا یہ مقام نہیں ہے بلکہ اجمالاً، میں جن حقائق کو آپ کے سامنے رکھ سکتا تھا، رکھ دیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہم پر ضروری ہے کہ ہم حق کی اتباع کریں۔ میں اس نتیجہ پر، اپنے نفس کے ساتھ کئی سال تک مجاہدہ اور کشمکش میں مبتلا ہونے کے بعد پہنچا ہوں۔

اس وقت میرا حال یہ ہے کہ میں کسی صورت میں بھی اپنے نفس کو اس بات پر قانع نہیں کر سکتا کہ میں اپنے آپ کو اثنا عشری شیعہ کہوں کیونکہ میں اس وقت اس پوزیشن پر کھڑا ہوں کہ مجھے گوارا نہیں ہے اور میرا ضمیر یہ کہنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ میں اثنا عشریہ ایمان کا حامل قرار پاؤں۔ کیونکہ اثنا عشری کسی اور وادی میں ہیں اور میں ایمان کے سایہ میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ کسی اور وادی میں ہوں۔

میں نے اسلام کو اس لیے قبول کیا ہے کیونکہ اسلام میں کالے اور گورے کی کوئی تفریق نہیں ہے اس کے اعتقادات کو ہر شخص اپنا کر دائرہ اسلام کے گھنے سائے میں پناہ لے سکتا

ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو ہم حق کو قبول کرلیں یا باطل کے کارواں میں شامل ہوجائیں۔

میں نے تھوڑی دیر کے لئے توقف کیا، پھر میرے ذہن میں یہ بات چٹکیاں لینے لگی کہ اگر میں اپنے اس عقیدہ سے کنارہ کش ہوکر، جس پر میری نشوونما ہوئی ہے اسلامی عقیدہ کو اختیار کرلوں، جس کی تائید میں دلائل وشواہد کی بھر مار ہے اور جس کو فطرت سلیمہ بھی قبول کرتی ہے تو میرا کیا بگڑ جائے گا؟

آخر کار میں نے اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کو پورے انشراح صدر کے ساتھ قبول کرلیا اور اس سودے میں ذرہ برابر بھی خسارہ نہیں اٹھایا بلکہ میں نفع مند ہوکر کامیاب ہوگیا۔

میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے موالات اور قلبی تعلق پیدا کرلیا ہے اور آل بیت کا دامن بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا کیونکہ مجھے اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ صحابہ کرام علیہم السلام اور آل بیت علیہم السلام کی حیثیت لازم وملزوم ہے گویا یہ لوگ ایک چنے کے دو دیول ہیں۔

اس فیصلہ میں، میں ہی منفرد نہ تھا بلکہ اس زمانے میں اور اس سے قبل کے، کتنے ہی لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس جادۂ حق کو پوری قناعت کے ساتھ اختیار کیا ہے ، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی امید میں اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿وَ اِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا﴾ ''بلاشبہ میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔'' کو شعار بناتے ہوئے یہ چیز ان کے ذہن ودماغ میں رچ بس گئی تھی انہوں نے اسی کلیہ کو اپنی زندگی کے لیے نصب العین بنالیا اور اسی کو بطور مشعل راہ اختیار کرتے ہوئے حق کی راہ پر گامزن ہوگئے یقیناً ان کی دین ودنیا دونوں سنور گئے۔

❋......❋......❋

صلاح کا موت سے خوف

صلاح کاظمی کے گھر والوں کو ان کی گرانی طبع نے حیرت و استعجاب میں ڈال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی نوک زبان پر ہر وقت موت کا تذکرہ رہنے لگا تھا اور اس نے اس بات سے سمجھ لیا، کہ موت ان کے سر پر منڈلا رہی ہے اور وہ موت سے خائف ہیں۔

اس کا ان کی روزمرہ کی زندگی پر یہ اثر پڑا کہ ان کی آنکھوں سے نیند عنقا ہوگئی اور مارے خوف کے انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ ڈاکٹروں کو دکھلایا گیا لیکن ان کی حالت کا راز، ان کی سمجھ سے باہر تھا اور وہ اس کے علاج و معالجہ سے عاجز آ گئے اور مشائخ نے ان کے روحانی علاج سے اپنی بے بسی کا اظہار شروع کر دیا اور آخر کار روحانی معالج اس نتیجہ پر پہنچے کہ جنات ان کو ایذا رسانی کے درپے ہیں اور یہ آسیب کا شکار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جن مشائخ کو وہ علاج و معالجہ کا ماہر تصور کرتے تھے ان کی تلاش میں انہوں نے بڑا ہی روپیہ پیسہ خرچ کیا اور اس میں انہوں نے بڑا ہی خسارہ اٹھایا مگر اس کے باوجود انہیں کوئی فائدہ محسوس ہوتا ہوا دکھائی نہیں دیا۔ شیخ صلاح کا کہنا ہے کہ ان معالجین کا طریقہ بڑا ہی عجیب و غریب اور غیر طبیعی تھا کبھی تو گھونگھوں کے ذریعہ علاج کرتے تھے تو کبھی وہ طلاسم اور نقش و نگار اور شعبدہ بازی کے ذریعہ علاج و معالجہ کرتے تھے۔ میں نے ان کے علاج و معالجہ میں قرآن کریم کا کوئی کردار نہیں دیکھا اور نہ انہوں نے قرآن کریم کو اپنے علاج و معالجہ کے لئے استعمال کیا بس ان کا دارومدار شعبدہ بازی اور طلاسم شیطانیہ پر تھا اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چیز نہ تھی۔

اس کے بعد شیعہ برادری میں سے ہی ایک مخلص شخص نے یہ رائے دی کہ میں اہل سنت والجماعت کے مشائخ میں سے کسی ماہر معالج کے پاس قرآن کریم کے ذریعہ علاج کروانے کی

غرض سے جاؤں کیونکہ شیعوں کے نزدیک یہ اعتقاد عام تھا کہ شیطان کو شیطان ہی نکال باہر کرسکتا ہے۔

چنانچہ شیخ صلاح اپنے گھر سے قریب واقع مسجد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تشریف لے گئے وہاں امام مسجد نے ان کو قرآن کریم کی آیات پڑھ دم کیا۔ شیخ صلاح نے جب آیات قرآنیہ کو سنا تو انہیں اطمینان وسکون محسوس ہوا۔

اس کے بعد جب شیخ، قرآن کریم کی تلاوت کر کے دم کر چکے تو وہ پرسکون نظر آنے لگے۔ اس کے بعد نہ تو انہوں نے کوئی واویلا کیا اور نہ زبان ہلانے کی کوشش کی وہ سجدہ میں ہی بیٹھے رہے اور وہاں سے نکلنے کی ذرہ برابر بھی کوشش نہیں کی کیونکہ مسجد کی فضا میں انہیں راحت وسکون محسوس ہو رہا تھا اور اس کا روحانی ماحول ان کو راس آ چکا تھا چنانچہ جب اذان کا وقت ہوگیا اور مؤذن اذان دے چکے تو نمازی آنا شروع ہوگئے۔ بھائی صلاح نے نمازیوں کی آمد کا مشاہدہ کیا اور ان کو پورے ذوق وشوق سے مسجد کے اندر آتے ہوئے دیکھا کہ ایک سیل رواں ہے جو کشاں کشاں مسجد کی طرف رواں دواں ہے یہاں تک کہ اقامت ہوگئی پھر کیا تھا بھائی صلاح کے اندر بھی ایمانی داعیہ زور مارنے لگا اور وہ بھی لوگوں کے ساتھ مسجد میں داخل ہوگئے اور ان کے ہمراہ باجماعت نماز ادا کی۔ دوسرے دن نماز کے وقت انہوں نے پھر مسجد میں حاضری دی جس کی وجہ سے امام صاحب کو تعجب ہوا کہ صلاح صاحب کیسے مسجد میں دکھائی دے رہے ہیں۔ چنانچہ امام صاحب سے رہا نہیں گیا اور انہوں نے صلاح کاظمی صاحب سے ان کی خیریت دریافت کرہی لی صلاح صاحب نے جواب دیا الحمد للہ میرا حال پہلے سے اب بہت اچھا ہے۔

بھائی صلاح نے اپنی آنکھوں سے قرآن کریم کے ساتھ جب اہل سنت والجماعت کے رغبت وذوق کا قریب سے مشاہدہ کیا اور اس کے ساتھ اللہ کی حرمات کی تعظیم کا اپنے دیدۂ بینا سے نظارہ کرلیا اور نماز باجماعت، ان کے اوقات کے ساتھ ادا کرنے کے اہتمام کو بحسن

وخوبی دیکھ لیا اور اس بات کو بخوبی جان لیا کہ ان کے منبروں پر خطبے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی حمد وثناء سے عبارت ہوتے ہیں برخلاف شیعوں کے خطبوں کے، جو کہ اہل بیت کی تعظیم و مدح سرائی سے عبارت ہوتے ہیں اور کتاب اللہ کی جگہ ائمہ کرام کے کلام سے مزین ہوتے ہیں۔

بھائی صلاح نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے مسجد میں اپنی بساط کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کی غرض سے بیٹھنا شروع کر دیا ہے اور ان کا قلب و دماغ کتاب اللہ کی تلاوت اور اس میں تدبر اور تفکر کا عادی بن گیا ہے اور انہوں نے اس حقیقت کا بھی انکشاف کیا کہ دراصل اس ایمانی پہلو کو ان کے اندر راسخ کرنے کا سہرا امام مسجد کے سر جاتا ہے جس کی کیفیت سے بھی بھائی صلاح نے لوگوں کو آگاہ کیا۔

اس کے بعد بھائی صلاح برابر مسجد آنے جانے کے عادی بن گئے اور انہوں نے مسجد کی حاضری کو اپنا مشغلہ بنا لیا حتیٰ کہ ان کے جاننے پہچاننے والے شیعہ حضرات کو اس بات کی خبر لگ گئی، لہٰذا انہوں نے جب انہیں پابندی کے ساتھ مسجد آتے جاتے دیکھا تو ان کو مسجد آنے جانے سے روکنے کی کوشش کی اور آپ کے دل کو مسجد کی طرف سے دور کرنے کی مہم چلائی۔ لیکن بھائی صلاح کو مسجد کی روحانی فضا کے سہانے جھونکوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ اس لئے آپ نے ان کی باتیں سنی ان سنی کر دیں۔ ان کا اپنے مخالفین سے یہی جواب ہوا کرتا تھا کہ مجھے اس سلسلہ میں انشراح صدر ہو چکا ہے، لہٰذا میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ ہی نماز ادا کرنا پسند کرتا ہوں خصوصاً امام کی جہری نمازوں میں قرأۃ قرآن سننا مجھے بے حد مرغوب ہے۔

اس کے بعد شیعوں کے بعض مجاور نما مشائخ کو بلوا بھیجا تا کہ ان کو عقیدہ اہل سنت والجماعت سے مرتد ہونے کے لئے مجبور کیا جا سکے اور ان کے خیال میں یہ جس غلطی پر گامزن ہیں، اس سے روگردانی کے لئے انہیں آمادہ کیا جا سکے حتیٰ کہ بعض مسائل کی شرح کرتے وقت ان کی مجاوروں سے جھڑپ بھی ہوگئی۔ مگر بجائے سلجھنے کے معاملہ پیچیدہ ہوتا چلا گیا۔ اب کیا تھا بھائی

صلاح نے مجاوروں کے سامنے شیعوں میں تحریف قرآن کا مسئلہ چھیڑ دیا۔قرآن کریم اور علوم قرآن کے ساتھ شیعوں کے عدم اہتمام کا سوال اٹھا دیا [1] خود شیعوں کے مصادر و مراجع سے بھائی صلاح نے یہ بات ثابت کردی کہ شیعہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو تحریف قرآن کا مورد الزام ٹھہراتے ہیں [1] بالآخران کرایہ کے مجاوروں سے جواب دیتے نہیں بنا اور ان کے

---

[1] علی خامنائی نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن سے پہلو تہی اور اس سے کنارہ کشی جو کہ ہماری مذہبی درسگاہوں میں عام ہوچکی ہے اور ہمارے قرآن سے غیر مانوس ہونے نے موجودہ زمانے سے لے کر آنے والے زمانے تک بڑی مشکلات کی شجر کاری کردی ہے قرآن کریم سے دوری نے ہمارے افکار و خیالات کو محدود کر کے رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے اندر تنگ نظری اور مردہ دلی پیدا ہوچکی ہے۔

ایک دوسری جگہ علی خامنائی اپنا اظہار خیال کرتے ہیں کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم تعلیم کے ابتدائی مرحلہ سے لیکر اجتہاد کی ڈگری کے حصول تک، قرآن کی طرف رجوع کئے بغیر اپنی دینی تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں۔تدریس کے اس معتد بہ وقفہ میں ہم ایک مرتبہ بھی قرآن کھول کر نہیں دیکھتے آخر قرآن کریم سے اتنی دوری کیوں ہے کیونکہ ہمارا نصاب تعلیم تعلیمات قرآنیہ سے عاری ہے جس کو تعلیمات قرآنیہ سے کوئی سروکار نہیں۔

انہیں مجتہد کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص حوزہ علمیہ میں بلند مقام کا خواہاں ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ تفسیر قرآن سے پہلو تہی اختیار کرے تا کہ اس کو جاہل نہ کہا جائے یا اس کا علم جہل کے پردۂ خفا میں نہ چلا جائے کیونکہ ان کے نزدیک تفسیر قرآن کے عالم کو جس کے درس تفسیر سے خلق خدا کو فیض پہنچے جاہل گردانا جاتا ہے اور علمی اعتبار سے ان کے نزدیک اس شخص کا کوئی وزن نہیں ہوتا، لہٰذا شیعہ حضرات مذکورہ تعلیمات کی روشنی میں فن تفسیر کے تعلیم و تعلم سے پہلو تہی میں مجبور ہیں، کیا یہ کسی اندوہناک المیہ سے کم ہے۔الحوزة العلمیه فی فکر الامام الخامنئی، ص: ۱۰۰۔ ۱۰۱.

محمد باقر مجلسی نے اپنی کتاب مرآة العقول میں (۵۲۵/۱۲) پر اس کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ (ان القرآن جاء به جبرائیل الی محمد ﷺ سبعة عشر الف آیة) یہ قرآن کریم محمد ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام جس کو لے کر آئے ہیں۔سترہ ہزار آیات پر مشتمل ہے۔اس کے بعد اس خبر کی انہوں نے توثیق کی ہے اور بعض نسخوں میں انہوں نے ھارون بن سالم کے بجائے اس روایت کو ھشام بن ہارون کی طرف منسوب کر کے روایت کیا ہے اور اس کے بعد اس پر تعلیق چڑھاتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بات کسی پر ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ یہ روایت اور اس کے علاوہ بہت سی صحیح اور صریح روایات قرآن کے ناقص ہونے اور اس میں ردوبدل کے بارے میں موجود ہیں۔یہی نہیں بلکہ اس سے بھی اہم تصریحات موجود ہیں مزید تفصیلات کے لئے الشیعه و تحریف القرآن (محمد السیف، یا آراء حول القرآن لآیة الله الفانی الاصفهانی کا مطالعہ کریں۔ان دونوں کتابوں میں اس مسئلہ کے بارے میں کافی وشافی بحث موجود ہے۔اس سے ان شاء اللہ تشنگی دور ہوجائے گی۔

اس سوال کا جواب دینے میں ان کو جان کے لالے پڑ گئے۔اب ان کے پاس راہ فرار اختیار کرنے کے علاوہ اورکوئی صورت نہ تھی یا ان سوالوں کا ڈھیٹ بن کر بغیر کسی دلیل وحجت کے انکار کرنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور چارہ کار نہ تھا۔

بھائی صلاح کاظمی کے اہل خانہ آپ کے عقیدۂ اہل سنت والجماعت قبول کرنے کی خبرسن کر ہکا بکا رہ گئے۔آپ کے خاندان والے آپ کے اس اقدام پر بڑے چیں بجبیں ہوئے،آپ کے ساتھیوں اوردوستوں پرآپ کی یہ حرکت بڑی ناگوارگزری حتیٰ کہ تمام کے تمام لوگ آپ سے خفااورناراض ہوگئےلیکن بھائی صلاح کاظمی نے اللہ تعالیٰ کی رضا کولوگوں کی رضا پر ترجیح دینے کو بہتراورافضل سمجھا۔جس کی روشنی میں بھائی صلاح کاظمی ہدایت واستقامت کی دولت سے سرشاراورخوش وخرم زندگی گزاررہے ہیں﴿ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ﴾ ''یہ محض اللہ کافضل وکرم ہےاللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہےاسے عطافرماتاہے۔''

آج ابوعبدالرحمٰن صلاح کا شماراہل علم میں ہوتا ہےآپ حقیقت میں علوم ومعرفت کے خوشہ چینوں میں سےایک ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنےفضل وکرم سےآپ کوعلم ومعرفت کی دولت سے مالا مال کردےاورآپ کوسربلندی عطافرمائےاورعزوشرف کے بلندمرتبہ پرفائزفرمائے۔

............*

اور کایا پلٹ گئی

بحرین کے دارالسلطنت، منامہ منتقل ہونے سے پہلے کی بات ہے کہ ''جد حفص'' کے علاقہ میں ایک شخص فروٹ اور سبزی وغیرہ فروخت کرنے کا کام کرتا تھا یہ مذہباً شیعہ تھا، لیکن اہل سنت والجماعت کے تین اشخاص سے اس کی راہ ورسم تھی۔

ایک دفعہ شیعہ سبزی فروش اور اس کے سُنی دوستوں کے درمیان شیعہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت طرازی کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ اس سبزی فروش کا اس مسئلہ میں صفائی پیش کرنا مشکل ہو گیا اور اس کو برملا اعتراف کرنا پڑا۔ واقعی سچ ہے کہ والفضل ما شهدت به الاعداء۔ چنانچہ اس سبزی فروش نے دوٹوک الفاظ میں اس بات کی صراحت کی کہ ہم شیعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغض وکینہ رکھتے ہیں اور ان سے کراہت ونفرت کا مظاہرہ کرتے اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان پر لعن ملامت بھی کرتے ہیں اور ہمارے عقیدہ کے اعتبار سے وہ ناصبیہ ہیں [1] ہم شیعوں کو اس بات کا پختہ یقین ہے کہ نعوذ باللہ وہ جہنمی ہیں۔ اس کے دوستوں میں سے ایک دوست نے کہا کیا تمہارے کان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے آشنا نہیں ہیں۔

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ (الاحزاب:٦)

''نبی مؤمنوں پر خود ان سے زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مؤمنوں کی مائیں ہیں۔''

دوست نے اس آیت کی تفسیر اور شرح کر کے ان کے سامنے حقیقت کو واضح کیا وہ سبزی

---

[1] ابن رجب البرسی اپنی کتاب ''مشارق انوار الیقین'' ص:٨٦ پر رقمطراز ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چالیس دینار فحش کاری کے ذریعہ جمع کئے تھے۔ العیاذ باللہ

فروش اس آیت کے معانی ومفاہیم سن کر حیرت زدہ رہ گیا اور اپنے دوست سے سوال کر بیٹھا کہ کیا یہ آیت قرآن کریم میں موجود ہے۔ میں تو پہلی مرتبہ اس آیت کو سن رہا ہوں اس کے دوستوں نے قرآن کریم کی ورق گردانی کر کے اس آیت کو نکالا اور اسے اس آیت سے مطلع کرایا۔ اس وقت ان کے سبزی فروش شیعہ دوست نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اب اسے پورے طور پر اس بات کا یقین ہوگیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میری مائیں ہیں۔

اس نے کہا کہ ہم کلام الٰہی کو کسی صورت میں بھی کلام انسانی پر اعتماد کرتے ہوئے جھٹلا نہیں سکتے۔ اس کے سامنے مزید اطمینان کے لیے یہ آیات بھی پیش کی گئیں:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَ أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب:۲۸، ۲۹)

''اے نبی ﷺ آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ تمہیں کچھ دے دلا کر اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو یقین کرو تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر چھوڑ رکھا ہے۔''

اس بات پر اہل سنت والجماعت اور شیعہ کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ ﷺ کے نکاح میں ۹ بیویاں موجود تھیں۔ ان میں سے کسی کو بھی آپ ﷺ نے طلاق نہیں دی تھی۔ مذکورہ دونوں آیات میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر آپ ﷺ کی بیویاں دنیاوی زیب وزینت اور اس کی چمک دمک کی خواہاں ہیں تو آپ ﷺ ان کو بے چوں وچرا طلاق دیدیں اور اگر وہ اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو

دنیا کی آسائشات پر ترجیح دیتی ہیں تو آپ ﷺ ان کو اپنی زوجیت میں باقی رکھیں۔ کیا کوئی کافر یا منافق دارآخرت کو دنیا کی زیب وزینت پر ترجیح دے گا۔ یہ عقلمندوں سے جواب طلبی ہے اب ان کی صوابدید پر ہے وہ جو مناسب سمجھیں، جواب دیں۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دل میں نعوذ باللہ نفاق چھپائے ہوئے تھیں تو اللہ تعالیٰ جو کہ عالم الغیب ہے کیا اس سے بھی یہ بات مخفی رہ گئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دل میں نفاق رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں پوشیدہ راز پر مطلع نہیں ہو پایا اور ان تمام لوگوں کے دلوں میں پوشیدہ راز، اس عالم غیب کے احاطۂ علم میں نہ آسکے۔ اگر ایسا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس راز سے مطلع کیوں نہیں فرمایا۔ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راضی تھے اور وہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں اور ام المؤمنین کی حیثیت سے حکم صادر فرمایا کرتی تھیں۔

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے معصوم ومبرا ہیں تو کیا شیعہ حضرات ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی شادی کو آپ ﷺ کی بھول چوک گردانتے ہیں۔

سبزی فروش شیعہ کا کہنا ہے کہ اس وقت میں نے اپنے گریبان میں اپنے نفس سے پوچھا میں کس بنیاد پر ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے کی جرات کرسکتا ہوں وہ تو میری ماں ہیں اور ہر مؤمن کی ماں ہیں۔ کیا کوئی شخص اپنی ماں کو گالی دینے کی جرات کرسکتا ہے۔

لہٰذا شخص مذکور تلاش حق کی جستجو میں بعض شیعی علماء کے پاس گیا اور ان سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا جس میں ازواج مطہرات کو امہات المؤمنین کے پاکیزہ خطاب سے نوازا گیا ہے تو ان کے علماء کرام میں سے بعض نے جواب دینے میں پس وپیش سے کام لے کر بات کو ٹال دیا اور بعض نے اس بات کا اعتراف کیا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج

مطہرات کو امہات المؤمنین کے بلند و بالا مرتبہ پر فائز کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے امہات المومن کی تزکیہ میں آیات نازل ہوئی ہیں۔

چنانچہ جب حج کا موسم آیا تو اس سبزی فروش نے بھی حج کرنے کی غرض سے رخت سفر باندھا اور وہاں اللہ تعالیٰ نے قبول حق کے لئے اس کے دل کو کھول دیا۔ پھر کیا تھا حج سے سنی المسلک بن کر واپس ہوا۔ اس کی واپسی پر اس کے سنی المسلک ہونے کی خبر پورے بحرین میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور پورے ملک میں اس کی عظیم الشان شہرت ہوئی۔ یہاں تک کہ سڑکوں پر اس کے چرچے ہونے لگے اور یہ بات زباں زد خاص و عام ہوگئی کہ فلاں شخص حج کرنے گیا تو شیعہ تھا اور حج سے واپس آیا تو سنی بن کر آیا۔

(والحمد للّٰه على ذلك)

❋......❋......❋

تصور امانت میں تاریخ کی فتح

اگر کوئی شخص شیعوں کی تاریخ کا غائرانہ مطالعہ کرے اور ان کے تاریخی اثاثہ کی چھان بین کرے تو اس کو اس بات کا بخوبی پتہ چل جائے گا کہ مسئلہ امامت جس کے پیچھے آج کل شیعہ حضرات ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں اور اس پر جینے مرنے کے لئے تیار ہیں یہ وہی مسئلہ ہے جو ان کے نزدیک موالات ومعادات کی بنیاد ہے۔ گویا کہ دشمنی ودوستی کو پرکھنے کی کسوٹی شیعوں کے نزدیک مسئلہ امامت ہی ہے لیکن ہم یہاں پر اس حقیقت کا بھی انکشاف کر دیں کہ مسئلہ امامت شیعوں کے نزدیک غیر واضح اور غیر مسلمہ حقیقت ہے جس کے خدوخال خود شیعوں کے نزدیک ناقص ہیں اس کی حقیقت امام حسن عسکری کی وفات تک پردہ میں رہی۔ اس کے بعد شیعہ حضرات افراتفری کا شکار ہو کر بہت سے فرقوں میں منقسم ہوگئے ان متعدد فرق میں سے ایک اہم فرقہ، فرقہ اثنا عشریہ اور فرقہ اسماعیلیہ بھی ہے یہی وہ فرقہ ہے جس نے اپنے عقائد کی ندرت کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔

اگر تاریخ کا مشاہدہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جب امویوں اور عباسیوں کے خلاف انقلاب برپا کرنے اور لوگوں کو خلافت کا حقدار باور کرانے کا معاملہ گرم تھا۔ اس وقت ان فرقوں کا ظہور ہوا۔ بالفاظ دیگر یہی وہ فکر ہے جو اس وقت کا مرکزی مسئلہ تھی جو لوگوں کے درمیان وقت کی پکار کے طور پر گردش کر رہی تھی۔ اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہی وہ محور تھا جس کے گرد شیعوں کے تمام فرقے چکی کے پاٹ کی طرح اس زمانے میں گردش کر رہے تھے۔ اس سلسلہ میں ائمہ اثنا عشر کے اسماء کی فہرست گنوانے اور ان کے ناموں کی وضاحت کی ضرورت نہیں کیونکہ اس دور میں ائمہ اثنا عشرہ کے ناموں کی اس صفحۂ ہستی

پر کوئی حد بندی نہیں تھی۔

لہٰذا عمومی طور پر شیعہ حضرات اس دور میں ائمہ اہل بیت کے درمیان کسی فرق کے روادار نہ تھے اور نہ ان کے ذہن میں اس بارے میں کوئی فرق تھا جس کی بنیاد پر وہ ایک کو دوسرے سے ممیّز کر سکیں۔ اسی لئے اس وقت کوئی امام اگر کوئی تحریک چلاتا تھا یا کسی قسم کا انقلاب برپا کرنے کی مہم چھیڑتا تھا تو وہ بھی اس کی تحریک کی موافقت میں اس میں شامل ہو جاتے تھے جیسا کہ زید بن علی رضی اللہ عنہ نفس زکیہ اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ کی تحریکوں میں معاملہ درپیش ہوا۔

اگر ہم شہادت کے بعد کے دور کا خاص طور پر باریک بینی سے تاریخی مطالعہ کریں تو ہمیں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ جو اثنا عشریہ کے نزدیک چوتھے خلیفہ ہیں، نے شیعی سیاست کے میدان سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے لئے شیعوں کی قیادت کرنے کی غرض سے میدان سیاست خالی کر دیا تھا۔ ایسا اقدام انہوں نے روزمرہ کی مشکلات اور انقلابات سے تنگ آ کر کیا تھا اور ائمہ اہل بیت کو ان کی قیادت سونپ دی تھی۔

اس کے بعد وہ زہد وورع اور عبادت و ریاضت میں ایسے مشغول ہوئے کہ عابدوں اور زاہدوں کے امام کہلانے لگے۔ مفید اور اربلی رقم طراز ہیں: ''علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔'' [1]

اس متقی اور پرہیزگار امام سے جو چیزیں منقول ہیں ان میں پند و نصائح، مواعظ و عبر، دعاء و مناجات اور وہ بعض احکام شرعیہ ہیں جو بطور فتویٰ علماء اور دعاۃ کے مابین رائج ہیں۔

شیعوں کی تاریخ میں امامت کی نشاندہی کے سلسلہ میں یہی وہ خلا ہے جس نے علماء شیعہ اثنا عشریہ کو امامت کے اثبات کی طرف متوجہ کیا چنانچہ انہوں نے اس امام زاہد کے معجزات اور

---

[1] الارشاد، ص: ۲۵٦ اور کشف الغمہ: ۲/۲۹۳۔

ان کی مدح وثناء میں چند قصے کہانیاں گھڑ کر ان کی امامت کی نشاندہی کی کوشش شروع کردی اور اپنے تئیں اس تاریخی نقص کو پر کرنے کی بھر پور تگ ودو کی اگر حقیقت میں اس امام کی سیرت کا تاریخی جائزہ لیا جائے تو ہمیں اس وقت کے شیعہ امام کے بارے میں حالات کچھ اور ہی نظر آتے ہیں۔ جس سے پتہ یہ چلتا ہے کہ امام مذکور کو اس زمانے کے شیعہ احترام واجلال کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کا اعزاز واکرام کرتے تھے اور ان کے علم وفضل اور ان کی قدر ومنزلت کا اعتراف بھی کرتے تھے، ان کو اس مرتبہ تک رسائی ان کے سیاسی فرد ہونے یا امام وقت کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کا زہد وورع اور تقویٰ وپرہیزگاری اس کا سبب تھا۔ [1]

زید بن علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ جو لوگ تھے وہ والی قضیہ کے رونما ہونے کی وجہ سے حیرت واستعجاب میں پڑ گئے۔ یہ قضیہ ان لوگوں کی طرف سے اٹھایا گیا تھا جو امام مذکور کے والد محترم علی بن حسین بن زین العابدین رضی اللہ عنہ کی امامت کا دم بھرتے تھے، لہٰذا اس مسئلہ پر ایک مناظرہ ہوا جس پر صاحب کتاب الکافی رقمطراز ہیں:

''امام زید بن علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے ابوجعفر میں اپنے والد حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا کرتا تھا اور میرے بابا مجھ کو بڑا ٹکڑا توڑ کر لقمہ بنا کر کھلایا کرتے تھے اور ازراہ شفقت میرے لئے پھونک کر گرم لقموں کو ٹھنڈا کیا کرتے تھے ان کو دنیا میں

---

[1] یہاں اس بات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان بڑی آسانی کے ساتھ، اس شخص کے لئے جس سے وہ محبت کرتا ہے قصے کہانیاں گڑھ لیتا ہے، مثال کے طور پر فرقہ اسماعیلیہ کو ہی لے لیجئے انہوں نے امام اسماعیل بن جعفر صادق کی امامت کو ثابت کرنے کے لئے قصے کہانیوں کا طومار لگا دیا ہے اسی طرح فرقہ رفاعیہ نے اپنے امام رفاعی کے بارے میں قصے کہانیاں گھڑ گھڑ کر ان کے معجزات اور کرامات کا انبار لگا دیا ہے۔ اسی طرح فرقہ تیجانیہ والوں نے بھی کیا ہے مقصد یہ ہے کہ قصہ کہانیاں گھڑ لینا تو بڑا ہی آسان ہے مگر حقیقت بیانی بڑی مشکل بات ہے۔

میرا اتنا خیال تھا مگر انہیں جہنم کی آگ میں مجھ پر رحم یا ترس نہیں آتا تھا، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تم کو دین کے بارے میں خبریں بہم پہنچائیں اور مجھے ان خبروں سے ناآشنا رکھا مؤمن الطاق نے ان کو یہ کہہ کر جواب دیا کہ میں قربان جاؤں انہوں نے جہنم کی آگ سے آپ پر رحم کھا کر اس بات کی آپ کو خبر نہیں دی۔ گویا کہ انہوں نے ازراہ شفقت آپ کے لئے ایسا کیا کیونکہ ان کو خدشہ تھا کہ کہیں آپ ان کی بات کو قبول نہ کریں اور حکم عدولی کی وجہ سے جہنم کے مستحق قرار پا جائیں۔ اس لئے اس حقیقت سے صرف مجھ کو آگاہ کرنے میں انہوں نے اکتفاء کیا۔ اگر میں نے ان کے حکم پر عمل درآمد کیا تو گویا کہ میں نجات سے ہمکنار ہو گیا اور اگر اس کو قبول کرنے میں کاہلی سے کام لیا یا امام صاحب کے فرمان کی خلاف ورزی کی تو ہمارے امام محترم کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ میں جہنم رسید ہوں یا نہ ہوں انہوں نے آپ سے اس حقیقت کو چھپایا ہے جس طرح یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے خواب کا کتمان کیا تھا۔'' [1]

تصور کیجئے کہ امام صاحب کے صاحبزادے اپنے والد کی امامت کی خبر نہیں رکھتے اور نہ ان کو اپنے زمانے میں اپنے والد بزرگوار کے منصب امامت پر فائز ہونے کی خبر مل سکی اور نہ ہی یہ اہم خبر ان کے گوش گزار ہو سکی مگر مؤمن الطاق جیسے اہل کوفہ کی ایک جماعت ایسے مخلص رازداں کی شکل میں وجود پذیر ہوئی جنہوں نے حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ کے والد محترم زین العابدین رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے کی امامت کی دعوے داری شروع کی۔

یہ شیعوں کی تاریخ کا ایک المناک پہلو ہے جس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ اس پر بس نہیں بلکہ یہاں پر چند دوسرے پہلو اور بھی ہیں جو صراحت کے ساتھ امامت کی نشاندہی کی نفی کرتے ہیں اور اس بات کی یقین دہانی فراہم کرتے ہیں کہ شیعوں کے نزدیک امامت کا

---

[1] كتاب الكافی: ١/١٧٤۔

تصور محض ایک مفروضہ ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

فرقہ اثناعشریہ سے منسلک شیعوں کے بارے میں اس بات کا تصور محال ہے کہ وہ اپنے بارہ اماموں کے اسماء والقاب کی مع ولدیت نشاندہی کرسکیں اور یہ بتاسکیں کہ وہ کس کی ذریت میں سے ہیں۔

چنانچہ کلینی نے اپنی کتاب الکافی میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میری صبح وشام اس حال میں ہوتی ہے کہ میں کسی ایسے امام کو پاسکوں جس کی امامت مسلم ہواور میں اس کی امامت کو تسلیم کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کرسکوں تو آپ ہی بتایئے کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں جبکہ صبح وشام میں مجھے کوئی ایسا امام نہ مل پائے جس کو میں امام سمجھ کر اس سے بیعت امامت کرسکوں امام ابوعبداللہ نے اس شخص کو جواب دیا کہ تم جس کو پسند کرتے ہو اس سے محبت کا سلوک روا رکھو اور جسے تم ناپسند سمجھتے ہو اس سے دور رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غلبہ عطاء فرمائے۔ [1]

امام صدوق نے امام صادق علیہا لسلام سے روایت نقل کی ہے کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کو ایک طویل مدت تک امام کی قیادت سے محرومی کا شکار رہنا پڑے گا اور معاملہ ایسا پیچیدہ ہوجائے گا کہ تم کو اپنے امام کے نام تک کا پتہ نہ ہوگا تم اس حال میں کیا کرو گے۔لوگوں نے امام صادقؒ سے سوال کیا کہ ایسے حال میں ہمارا کیا فریضہ بنتا ہے۔آپ ہی فرمائیں۔امام صاحب نے جواب دیا کہ پہلے امام کی بیعت پر جمے رہو یہاں تک معاملہ تمہارے سامنے واضح ہوکر آجائے۔ [2]

امام کلینی، امام صدوق، اور امام مفید نے عیسیٰ بن عبداللہ علوی عمری کے واسطہ سے ابو عبداللہ جعفر بن محمد علیہ السلام سے روایت کرتے ہوئے فرمایا میں نے ابوعبداللہ سے عرض کیا میں

---

[1] الکافی : ۳٤۲/۱۔

[2] اکمال الدین، ص: ۳٤۸۔۳۵۰۔ ۳۵۱۔

قربان جاؤں، ہم پر اگر کوئی ایسا موقع آ جائے اللہ تعالیٰ ہمیں وہ دن نہ دکھائے کہ کوئی تصریح شدہ امام موجود نہ رہے تو ہم کس کو امام بنائیں گے یا کس کے ہاتھ پر، ہم امامت کی بیعت کریں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ نے حضرت موسیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا کہ اگر موسیٰ بھی نہ رہیں تو ہم کس کو امام بنائیں گے۔ فرمایا کہ ان کے فرزند رشید کو ان کا جانشین سمجھا جائے گا میں نے کہا کہ اگر بالاتفاق وہ بھی نہ رہیں اور وہ اپنے بڑے بھائی اور چھوٹے لڑکے کو اپنے پیچھے چھوڑ جائیں تو ہم کس کو امامت کے منصب پر فائز کریں گے۔ اس کے جواب میں ابوعبداللہ نے فرمایا کہ ان کے صاحبزادے کو ان کا خلف رشید سمجھا جائے گا اور اسے امامت کے منصب پر فائز کیا جائے گا اس کے بعد امامت کا یہ سلسلہ یونہی قائم رہے گا میں نے عرض کیا کہ اگر ہمیں امام کا پتہ نہ چل پائے اور نہ ہی ہم امام کا سراغ لگا پائیں تو ہم کیا کریں۔ اس کے جواب میں ابوعبداللہ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے موقع سے تم یہ کلمات ورد زبان کر لیا کرو "اللّٰھم انی اتولیٰ من بقی من حججك من ولد الامام الماضی۔ فان ذلك یجزئك"...... "اے اللہ میں اس شخص کے ہاتھ میں بطور موالاۃ ہاتھ دیتا ہوں جو پہلے امام کی اولاد میں سے باحیات ہو اور تیری باقی ماندہ حجت کو تسلیم کرتا ہوں۔ تمہارے لئے یہ کہنا بیعت امام کے طور پر کافی ہو جائے گا۔"

حضرت زرارہ بن اعین یعقوب بن شعیب اور عبدالاعلیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر امام وقت کو کوئی ناگہانی حالت پیش آ جائے تو لوگ کیا کریں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پیش نظر رکھیں گے:

﴿وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ٥﴾ (التوبۃ:۱۲۲)

"ان میں سے کچھ لوگ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے

ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرے اور یہ لوگ
اپنی قوم کے پاس جب واپس آئیں تو ڈرائیں تا کہ وہ ڈر جائیں۔''

راوی کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے پوچھا کہ اس موقع پر ان پر کیا حکم لگایا جائے گا۔انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس وقت معذور سمجھے جائیں گے۔ میں نے سوال کیا کہ ان انتظار کرنے والوں کا کیا ہوگا جو ان فقیہوں کے انتظار میں نگاہیں فرش راہ کئے بیٹھے ہوں گے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ اللہ تمہارا بھلا کرے کیا تم کو پتہ نہیں کہ محمد ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ۵۱۱ سال کا جو وقفہ تھا اس وقفے کے مابین کتنے ایسے لوگ ہیں جو محمد ﷺ کی بعثت کا انتظار کرتے کرتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر ختم ہو گئے۔ ان کو اللہ تعالیٰ اجر دے گا میں نے پوچھا ہم دین حاصل کرنے گھر سے نکلیں اور راستے میں اگر بعض ساتھی مر گئے تو ان کا کیا حکم ہے۔امام صاحب نے جواب دیا:

﴿وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (النساء:۱۰۰)

''جو اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آ پکڑا تو یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔''

راوی کہتے ہیں کہ میں نے فوراً کہا کہ ہم مدینہ منورہ پہنچے اور صاحب معاملہ کے دروازے پر پردہ کھنچا ہوا دیکھا، راوی کہتے ہیں کہ اس میں کسی قسم کا غموض نہ ہوگا اور جب تم مدینہ میں داخل ہو گے اور لوگوں سے کہو گے کہ میں کس کو اپنا وصی بناؤں لوگ برملا کہیں گے کہ فلاں کو اپنا وصی بناؤ۔[1]

تاریخ میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں جن سے اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام کو خود اپنی امامت کا پتہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس بات کا علم ہوتا ہے کہ ان کے بعد کون امام

[1] تفسیر العیاشی: ۲/۱۱۷۔۱۱۸۔ الامامة والتبصرة من الحیرة، ص: ۲۲۶ اور اکمال الدین، ص: ۷۵۔

بننے والا ہے۔لیکن جب ان کی وفات کا وقت قریب آ جاتا ہے اس وقت ان کو امامت کا پتہ چل جاتا ہے۔جب ائمہ کا یہ حال ہے تو شیعان فرقہ امامیہ اور ہما شما کا کیا شمار؟ کیونکہ بار ہا یہ بات مشاہدہ میں آ چکی ہے کہ شیعہ امامیہ کو اپنے ہر امام کی وفات کے بعد حیرانی و پریشانی کا شکار ہونا پڑا۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہر امام سے ہمیشہ یہی درخواست کی کہ وہ اپنے جانشین کو وقت موعود سے پہلے متعین کر دیں اور وضاحت کے ساتھ اس کے نام کا اعلان کر دیں تا کہ ان کی وفات کے بعد امام جدید کی تعیین میں مشکلات درپیش نہ ہوں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ امام صاحب تو اس دنیا سے چلے جائیں اور ان کے متبعین کو امام کا پتہ تک نہ ہو۔

ابو جعفر محمد صفار ،جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے واسبتگان میں سے ہیں،نے اپنی کتاب:بصائر الدرجات باب فی الائمة انهم یعلمون الیٰ من یوصون قبل موتهم مما یعلمهم الله کے عنوان سے موسوم باب میں درج کیا ہے۔[1]

ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسماعیل بن ابراہیم کے ایک چھوٹے صاحبزادے تھے۔جن سے وہ بڑی محبت کرتے تھے شیخ اسماعیل کی امیدیں انہیں سے وابستہ تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ فلاں شخص امامت کا حق دار ہے چنانچہ جب شیخ اسماعیل علیہ السلام وفات پا گئے اور ان کے وصی کی امامت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے جب مجھے موت آ جائے تو ایسا کرنا ویسا کرنا اور میری وصیت پر عمل کرنا اس سے پتہ یہ چلا کہ امام کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس بات سے مطلع نہ کر دے کہ ان کے بعد کون وصی ہوگا۔

بصائر الدرجات میں ہی باب فی الامام علیه السلام انه یعرف من یکون بعده قبل الموت کے عنوان سے ایک باب ہے۔یہاں میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہوں گا کہ یہ اس عقیدہ امامیہ کا طبعی نتیجہ ہے جو ایک معما بن گیا ہے جو نہ حل ہوا ہے

---

[1] نفس المصدر، ص: ٤٣٥.

اور نہ حل ہوگا عقیدہ نصیہ کا مطلب یہ ہے کہ خود ان کے امام کو پتہ تک نہیں ہوتا کہ ان کے بعد کون امامت کی باگ ڈور سنبھالے گا۔ البتہ موت سے تھوڑی دیر پہلے اسے وحی کا پتہ چل جا تا ہے لیکن یہ ایک تضاد ہے جس کے بھنور میں پھنس کر عام شیعہ بھٹک رہے ہیں اور دونوں قسم کے اعتقاد نے ان کو مخمصہ میں ڈال رکھا ہے جب عام شیعہ کا یہ حال ہے تو رواۃ اور ائمہ کے اصحاب و معتقدین کا کیا حال ہوگا۔

زرارہ بن اعین کا شمار امام باقرؒ اور امام صادق علیہما السلام کے اصحاب میں ہوتا ہے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو اس کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد کون امامت کے منصب پر فائز ہوگا۔

لہٰذا زرارہ نے اپنے بیٹے عبیداللہ کو کوفہ سے مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ نئے امام کا پتہ لگا کر آئیں لیکن ان کو منزل مقصود تک پہنچنے سے ہی پہلے موت نے آلیا، چنانچہ انہوں نے قرآن کریم کو اپنے سینہ پر رکھ کر یہ کہا

((اللّٰهم اشهد انی أتم بمن اثبت امامته هذاالمصحف))

”اللہ میں اس کو امام سمجھتا ہوں جس کو یہ مصحف امامت کے منصب پر فائز کرے گا۔“ [1]

اگر ائمہ کرام کے اصحاب میں سے کسی کو یہ بات معلوم ہوتی کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد موسیٰ کاظم امامت کے منصب پر فائز ہوں گے تو ان کو معلومات حاصل کرنے کی ضرورت در پیش نہ ہوتی اور نہ ہی ان کو کسی قسم کا شک اور تذبذب رہتا لیکن ان کا شک وشبہ اور حصول معلومات کی تگ ودو، اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ان کو بھی امامت کی نامزدگی کا پتہ نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے عبیداللہ کو کوفہ سے مدینہ روانہ کیا تھا۔

الصفار، اور الکلینی کے کے علاوہ المفید اور الکشی نے بھی اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ

---

[1] اکمال الدین، ص: ٧٥،٧٦.

مشہور ومعروف ائمہ کرام میں سے، ھشام بن سالم الجوالیقی اور محمد بن نعمان الاحول شروع شروع میں ہی حضرت عبداللہ الافطح کی ان کے والد جعفر صادق علیہ السلام کے بعد امامت کے حق میں تھے ان کی دلیل عبداللہ کا یہ قول تھا کہ امامت کے استحقاق کا فیصلہ بڑے بیٹے کے حق میں ہوگا اگر وہ معذور یا اپاہج نہ ہوا۔امام باقر اور امام صادق علیہما السلام کے اصحاب میں سے عمار السا باطی کا اس بات پر اصرار ہے کہ امامت کا اگر کسی کو حق پہنچتا ہے تو وہ عبداللہ الافطح ہی ہے آخری دم تک ان کا یہی فیصلہ رہا اور وہ اپنی اسی رائے پر ہمیشہ قائم رہے۔ [1]

ہشام بن سالم الجوالیقی سے مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ عبداللہ الافطح کے پاس اپنے بعض شیعہ دوستوں کے ہمراہ تشریف لائے اور ان سے بعض مسائل کے بارے میں دریافت فرمایا عبداللہ الافطح صحیح طور پر تشفی بخش جواب نہ دے سکے، جس نے لوگوں کو ان کی امامت بارے شکوک وشبہات میں ڈال دیا چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس سے حیران وسرگرداں نکلنے پر مجبور کردیا۔کوفہ کی گلیوں میں ستانے کی غرض سے روتے ہوئے آکر بیٹھ گئے۔حیرانی وپریشانی کا یہ عالم تھا کہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس کے پاس جائیں مرجئہ کے پاس جائیں یا زیدیہ کے پاس جائیں، یا معتزلہ کے پاس جائیں یا خوارج کے پاس جائیں۔ہم لوگ اسی پس وپیش میں تھے کہ میں نے ایک بوڑھے شخص کو آتے ہوئے دیکھا۔میں اس کو نہیں جانتا تھا لیکن وہ اپنے ہاتھ سے میری طرف اشارہ کررہا تھا۔اس نے آتے ہی مجھے کو بلایا اور کہا کہ اللہ تمہارا بھلا کرے جب دیکھا تو وہ ابوالحسن موسیٰ تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم مجھے امام مانو کیونکہ امامت مرجئہ کی ہے۔نہ قدریہ کی اور نہ ہی زیدیہ کو امامت کا حق پہنچتا ہے۔بلکہ میرے حق میں امامت ثابت ہے لہٰذا تم اسے تسلیم کرو، میں نے کہا کہ میں آپ پر قربان جاؤں کیا آپ کے والد اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ابوالحسن موسیٰ نے جواب دیا ہاں وہ فوت ہوگئے ہیں میں نے ان سے

---

[1] الکافی: ۱/۳۵۱-۳۵۲۔ الارشاد، ص: ۲۹۱۔ بصائر الدرجات، ص: ۲۵۰، ۲۵۱ اور رجال الکشی ترجمة هشام بن سالم۔

دریافت کیا کہ ان کے بعد کون ہماری امامت کا استحقاق رکھتا ہے۔ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کی راہنمائی کے لئے تمہارے راستے کھول دے اور مدد فرمائے تو میں نے کہا میں قربان جاؤں آپ پر، کیا آپ ہی وہ امام نہیں ہیں جس کی ہم کو ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ میں اس بات کی صراحت نہیں کرسکتا میرے دل میں یہ خیال کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ مسئلہ پیش کرنے میں مجھ سے چوک ہوگئی ہو میں نے شیخ ابوالحسن موسیٰ سے کہا کیا آپ بھی کسی امام کے متبع ہیں۔ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ راوی کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ سے میرے دل میں ان کی عظمت شان اور ہیبت خاندان کا ایسا تصور گھر کر گیا جس کی اثر پذیری کا اندازہ اللہ ہی کے علم میں ہے۔ [1]

اس روایت میں ھشام کا کہنا ہے کہ ابتداء میں لوگ عبداللہ الافطح کی امامت پر راضی ہوگئے تھے گویا فرقہ امامیہ کے سربرآوردہ لوگوں کو تحریری طور پر اس بات کا پتہ تک نہ تھا کہ امام کاظم مجمع کے سامنے امامت کا اعلان کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بہرحال حضرت عبداللہ الافطح اپنے والد کی وفات کے ستر دن بعد وفات پا گئے انہوں نے اپنا ایسا جانشین نہ چھوڑا جس سے ان کی اولاد میں امامت جاری رہتی۔ جس کی وجہ سے فرقہ امامیہ کی صفوں میں ایک نئے فتنہ نے سر اٹھایا۔ اس وقت ایک فرقہ نے امامت کے مسئلہ سے دستبرداری کا اعلان کردیا اور اور ایک دوسرا فرقہ پیدا ہوگیا جس نے موسیٰ بن جعفر کی امامت کو تسلیم کرلیا اور فرقہ موسوی کہلانے لگا اور ایک تیسری قسم وہ تھی جس میں عبداللہ بن بکیر اور عمار بن موسیٰ الساباطی تھے جنہوں نے موسیٰ بن جعفر کے بعد ان کے بھائی کی امامت کا فکرہ پیش کیا ان کو فرقہ فطحیہ کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہیں امام صادق اور ان کے بعد ائمہ کرام کے اصحاب ہونے کا شرف حاصل تھا۔

---

[1] الکافی: ۱/۳۵۱۔ اور الارشاد، ص: ۲۹۱ اور بصائر الدرجات، ص: ۲۵۰۔۲۵۱ اور منتھی الآمال: ۲/۲۵۸ اور رجال الکشی ترجمة هشام بن سالم۔

قارئین کرام یہ تصور نہ کریں کہ معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا، نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ ابو عبداللہ علیہ السلام کی اپنے بیٹے اسماعیل کے لئے وصیت، اس کے نفاذ کا ابتدائی بحران، عبداللہ فطحی کی امامت، ابو عبداللہ کی اچانک موت کے بعد موسیٰ کاظم کی امامت کے کی مشکلات، اور ہارون رشید کی جیل میں ان کی پراسرار موت جیسے پے در پے حالات سے مسئلہ امامت پیچیدہ اور طویل ہوتا گیا حتی کہ یہ قصہ عام ہو گیا کہ موسیٰ کاظم جیل سے فرار ہو گئے۔

یہ حقیت بھی ہے کہ امام کاظم کی موت کے اسباب سے ان کے تمام بیٹے، طلبا اور دیگر لوگ بھی نا آشنا رہے۔ ان کی فہرست میں بعض اصحاب اجماع اور رواۃ ثقات کے اسماء مبارکہ بھی شامل ہیں۔ حضرت علی بن ابی حمزہ، علی بن الخطاب، غالب بن عثمان، محمد بن اسحاق بن عمار التغلبی الصیرفی، اسحاق بن جریر، موسیٰ بن بکر، وھیب بن حفص الجریری، یحیی بن الحسین بن زید بن علی بن الحسین، یحییٰ بن القاسم الحذاء، عبدالرحمٰن بن الحجاج، رفاعہ بن موسی، یونس بن یعقوب، جمیل بن دراج اور حماد بن عیسیٰ احمد بن محمد بن ابی نصر اصحاب اجماع اور رواۃ ثقات شامل ہیں اور ان کے علاوہ آپ کے اصحاب واحباب کی ایک طویل فہرست ہے جن سے آپ کی جیل میں پراسرار موت کا معمہ حل نہ ہوسکا۔ [1]

شیعہ موسویہ کا حضرت امام کاظم پر امامت کے منحصر ہونے اور ان کے بیٹے علی رضا علیہ السلام کی امامت کو نہ ماننے کی وجہ ہی حضرت امام موسیٰ کاظم کے مہدی ہونے کا اثبات فراہم کرتی اور موت سے قبل ان کے ظہور کو حتمی قرار دیتی ہیں چنانچہ امام طوسی نے اپنی کتاب الغیبۃ میں ان روایات میں سے بعض روایات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ [2]

اس کے بعد کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ علی رضا علیہ السلام کی اپنے والد کی موت کے بارے میں معرفت و عدم معرفت نے شکوک وشبہات کا بازار گرم کر دیا...... اور یہ قیاس آرائیاں گردش

---

[1] الغیبة للطوسی، ص: ٤٧، اور الکافی: ٣٤/١ اور عیون الاخبار الرضا، ص: ٣٩۔

[2] نفس المصدر، ص: ٣٩۔ ٤٠۔

کرنے لگیں کہ انہیں اپنے والد کی موت کی خبر کیسے پہنچی۔ اور کب ان کو پتہ چلا کہ ان کے والد فوت ہو چکے ہیں اور ان کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے والد کے بعد جانشین امام متعین کر دئے گئے ہیں۔ کیا ان کو اپنے والد کی وفات کے بعد فوراً اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ ان کے والد فوت ہو چکے ہیں یا ان کو اپنے والد کے فوت ہونے کی اطلاع ایک مدت بعد پہنچی۔ خبر پہنچنے کے بعد کب آپ بطور جانشین منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ ❶

اس زمانے میں شیعہ نے ایک مفروضہ پھیلا رکھا تھا جو زباں زد خاص و عام تھا کہ امام ہی امام کی تجہیز و تکفین کرتا ہے اس مفروضہ نے اس دور میں امام علی رضا عَلَیہِ السَّلام کے بارے میں لوگوں کو پس و پیش میں ڈال دیا۔ چنانچہ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ علی رضا عَلَیہِ السَّلام کے بارے میں کیسے یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو غسل میت دیا ہے جبکہ ان کے بابا کا انتقال بغداد میں ہوا ہے اور علی رضا عَلَیہِ السَّلام مدینہ منورہ میں تھے۔ ❷

ہم یہاں اس بات کی بھی وضاحت کر دیں کہ عام طور پر شیعہ حضرات امامت کی پیشین گوئی میں صرف علی بن موسیٰ الرضا کے بارے ہی میں غموض کا شکار نہیں ہے بلکہ امام کاظم کی اولاد اور ان کی محبوب ترین بیوی ام احمد کے سلسلہ میں بھی بڑی ہی پیچیدگیاں موجود ہیں جس کے بارے میں تاریخ کے اوراق شاہد عدل ہیں۔ ❸

انہیں تاریخی روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب مدینہ میں امام کاظم عَلَیہِ السَّلام کی وفات کی خبر سنی گئی تو لوگ ام احمد کے دروازے پر جمع ہو گئے احمد بن امام کاظم عَلَیہِمَا السَّلام کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی اور انہوں نے بھی لوگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنی امامت کی بیعت لی۔ ابھی علی رضا کی امامت کے جواز وعوم جواز کی بحث جاری تھی۔ ❹

---

❶ ملاحظہ ہو: الکافی : ۳۸۱/۱۔ ❷ ملاحظہ ہو: نفس المصدر : ۳۸۵/۱۔
❸ ایضاً۔ ۳۸۲-۳۸۱/۱۔ ❹ حیاۃ الامام موسیٰ بن جعفر، لباقر شریف القرشی، ص : ۴۱۰ - ۴۱۱۔ تحفۃ العالم، جعفر آل بحر العلوم کی کتاب سے مقتبس : ۸۷/۲۔

ابھی فرقہ امامیہ سے منسلک لوگ اڈھیڑ بن میں مبتلا تھے کہ ۲۰۳ھ کو خراسان میں ان کا انتقال ہوگیا ان کے ایک بیٹے تھے جن کا نام محمد جواد تھا۔ ان کی عمر سات سال کی تھی جس کی وجہ سے فرقہ امامیہ کی صفوں میں دوبارہ اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی اور امامت کا مسئلہ ایک چیلنج کی شکل اختیار کر گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی قیادت کے لئے ایک کم سن بچے کو امامت کے منصب پر فائز کرسکتا ہے۔ جو اپنے معاملات میں بھی خوب تصرف کے قابل نہیں علاوہ ازیں جو شرعاً غیر مکلّف ہو اور نہ اس کو اپنے والد کی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہونے کا موقعہ مل پایا ہو جس کو اس کے والد چار سال کا چھوڑ کر چلے گئے ہوں۔ [1]

اس قسم کے مختلف اسباب کی بنیاد پر شیعہ امامیہ مختلف فرقوں میں منقسم ہوگئے۔ جن میں سے بعض فرقے یہ ہیں۔

1......اس میں سے ایک فرقہ وہ ہے جس نے موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت پر اکتفا کیا مگر چند اسباب و وجوہات کی بنا پر علی بن موسیٰ الرضا پر یقین کرتے ہوئے ان کی طرف رجوع کرلیا اور محمد الجواد کی امامت کو رد کر دیا۔

2......ایک دوسرا فرقہ وہ ہے جس نے امام رضا کے بھائی احمد بن موسیٰ کی امامت کو قبول کرنے کا رجحان ظاہر کیا یہ فرقہ زیدیہ کے ہم رائے تھے اور کوفہ میں ابوسرایا کے ساتھ مظاہرہ کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ ان کو اپنے بھائی امام رضا کی محبت حاصل تھی اور وہ اپنے بھائی کا خیال بھی رکھتے تھے۔ احمد موسیٰ علم و فضل، ورع و تقویٰ، زہد و معرفت، عبادت و ریاضت میں بھی بلندی و کمال کے حامل تھے۔ اس فرقہ کا خیال ہے کہ امام علی رضا نے ان کی امامت کی وصیت کر کے نشاندہی کر دی تھی۔ [2]

3......شیعوں کا ایک فرقہ وہ ہے جو امام محمد بن القاسم بن عمر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی

---

[1] المقالات للاشعری القمی، ص : ۹۶۔۹۸ اور فرق الشیعہ للنوبختی، ص : ۸۸۔

[2] الفصول المختارة، ص : ۲۵٦.

طالب کے اردگرد جمع ہوگیا۔آپ کوفہ میں فروکش تھے اورعبادت وریاضت ،زہد و معرفت،ورع وتقویٰ ،علم وفضل اور فقہ وحدیث میں درایت رکھتے تھے۔انہوں نے معتصم باللہ کے خلاف ۲۱۸ھ کو طالقان میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ ❶

4......ایک فرقہ وہ تھا جس نے محمد الجواد کی امامت کو سراہا لیکن انہیں مشکل یہ درپیش ہوئی کہ وہ امام جواد کے بیٹے علی ھادی کی صغرسنی کی وجہ سے دوبارہ بحران کا شکار ہوگئے۔کیونکہ جواد کا عنفوان شباب میں انتقال ہوگیا تھا اوران کے دونوں بیٹے علی اور موسیٰ کم سن تھے بڑے بیٹے کی عمر سات سال سے زیادہ نہ تھی ،امام ھادی بھی اپنے والدامام جواد کی وفات کے وقت چھوٹے ہی تھے وجہ یہ ہے کہ ان کے والد نے عبداللہ بن مسور کو اپنے تمام مال متاع پر حاجب مقرر کر کے یہ وصیت کی تھی کہ ہادی جب بڑے ہو جائیں تو یہ سامان ان کے حوالے کردینا یہی وہ بھنور ہے جس کی گرداب میں شیعہ حضرات پھنس کر مختلف مشکلات کا شکار ہوگئے اگر امام ھادی صغرسنی کی وجہ سے مالی تصرفات کے اہل نہیں تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی صغرسنی کے دوران امام کون تھا۔اگر کوئی نہیں تھا تو ایک کم سن بچہ کے نام امامت کیوں کرنامزد کی جاسکتی ہے اور وہ کس بنیاد پر امامت کے فرائض انجام دینے کا اہل ہوسکتا ہے۔ یہ وہ سوالات ہیں جو امام علی رضا کی وفات کے وقت بروئے کار لائے گئے اس سے علی وموسیٰ دونوں بھائیوں کی امامت کے بارے میں پیچیدگی درپیش ہوئی تھی۔

امام کلینی اور مفید حیرت واستعجاب فرماتے ہیں کہ شیعوں کی بعض بڑی بڑی شخصیات کو بھی اس امام جدید کی پہچان نہ تھی لہذا انہوں نے امام محمد بن فرج کے یہاں اجتماع کیا۔اس کے بعد ایک اجنبی شخص نمودار ہوا اوراس نے امام جواد کے بارے میں اس پوشیدہ راز کا انکشاف کرکے بتلایا کہ انہوں نے خفیہ طور پر اپنے بیٹے علی ھادی کی امامت کی نشاندہی کردی تھی۔تب کہیں جا کراس راز کا اظہار ہو پایا۔ ❷

❶ مقاتل الطالبين ، ص ۵۷۹ اور تاريخ الطبرى : ۲۲۳/۷۔

❷ الكافى : ۳۲۶/۱۔ ۳۲۷۔ اور الارشاد ، ص : ۳۲۸۔

اس حیرت استعجاب اور ابہام وغموض نے امام جواد کے ماننے والے شیعہ کو کئی فرقوں میں تقسیم کر دیا۔

۱۔ ان میں سے ایک گروہ امام ھادی کی امامت کا قائل ہو کر الگ ہو گیا۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو ان کے بھائی موسیٰ مبرقع کی امامت کا قائل ہو کر انہیں کا ہو کر رہ گیا۔ ❶

لیکن امام ھاوی نے امامت میں اپنے بیٹے محمد کے لیے جانشینی کا انتخاب کر کے لوگوں کو حیرت استعجاب میں ڈال دیا۔لیکن محمد ان کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تو انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے امام حسن عسکری کی امامت کی وصیت کر دی اور اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ میرے عزیز بیٹے اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں موقع عنایت فرما کر امامت سے نواز دیا ہے۔ ❷

کلینی اور مفید طوسی نے ابو ھاشم داؤد بن القاسم جعفری کے واسطہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں ابوالحسن عسکری کے پاس ان کے صاحبزادے ابوجعفر کی وفات کے وقت موجود تھا انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا اور اس کا حال واحوال بیان کیا تو میں اپنے دل ہی دل میں کچھ سوچنے لگا ابوالحسن میری طرف متوجہ ہوئے کر کہنے لگے ہاں اے ابو ہاشم! میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ ابوجعفر پر اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کا قائم مقام ابو محمد کو بنایا گیا ہے۔ بالکل یہی مسئلہ اسماعیل کے بارے میں درپیش ہوا جبکہ ابوعبداللہ ان کی امامت کی نشاندہی کر کے انہیں امامت کے منصب پر فائز کر چکے تھے۔ بالکل یہی اشکال جو تمہارے دل میں گردش کر رہا ہے یہاں میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میرا بیٹا ابو محمد میرے بعد میرا جانشین ہے۔اس کے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی تم کو ضرورت درپیش ہو گی۔ ❸

---

❶ ملاحظہ ہو: فرق الشیعه، ص : ۹۱۔

❷ ملاحظہ ہو: الکافی، ص : ۳۲۶/۱۔۳۲۷۔ بصائر الدرجات للصفار ، ص : ۴۷۳ اورالارشاد المفید ، ص : ۳۳۷ ، اور الغیبة للطوسی، ص : ۱۲۲۔

❸ ملاحظہ ہو: الکافی : ۳۲۸/۱ اور الغیبة، ص : ۵۵۔ ۱۳۰ اور الارشاد ،ص : ۳۳۷ اور بحار الانوار للمجلسی : ۲۴۱/۵۰۔

یہی الجھن فرقہ اسماعیلیہ کے ساتھ بھی پیش آئی کیونکہ جعفر صادق اپنے بیٹے اسماعیل کی وفات کا ذکر کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل عَلَیْہِ السَّلام نے انہیں امام ماننے سے انکار کر دیا۔ جس طرح ہادی کے دادا قتل پر ایک فرقہ نے ان کے صاحبزادے امام محمد کی وفات کی تصدیق سے انکار کر دیا تھا اور مسلسل ان کے روپوش ہو جانے کے عقیدہ پر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک دعویٰ کر ڈالا کہ امام ھادی کا اپنے بیٹے کی وفات کا اعلان کرنا تقیہ ہے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔

۲۶۰ھ کو مقام سامراء میں امام حسن عسکری علیہ السلام نے بحران اور ہیجانی کیفیت پیدا کر دی کیونکہ وہ جانشین مقرر کیے بغیر فوت ہو گئے تھے۔ جب کہ امام کا انعقاد یہ تھا کہ امامت تسلسل سے جاری رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرقہ امامیہ سے منسلک لوگ ۱۴ فرقوں میں تقسیم ہو گئے جس کا قمی اپنی کتاب المقالات والفرق میں تذکرہ کیا ہے اور نوبختی نے اس کو اپنی کتاب فرق الشیعہ میں بیان کیا ہے ابن زینب النعمانی نے اپنی کتاب ''الغیبۃ'' میں جس کا انکشاف کیا ہے۔ الصدوق نے اپنی کتاب ''اکمال الدین'' میں جس کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ المفید نے اپنی کتاب ''الارشاد'' میں جس کی وضاحت کی ہے۔ الطّوسی نے اپنی کتاب ''الغیبۃ'' میں جسے بیان کیا ہے۔ امامت کی الجھن بارے یہ ایک ہلکی سی جھلک تھی ورنہ یہ ایک نہ ختم ہونے والی داستان ہے۔

............*

خاتمہ کتاب

میں اپنے اہل خانہ اور ہمسایہ کو جن سے میں محبت کرتا ہوں اور مجھ سے وہ محبت کرتے ہیں اوران کو جو آل بیت سے محبت کرتے اوران کی اتباع کی عقیدت رکھتے ہیں اوران کو جو تلاش حق اورنورِ ہدایت میں سرگرداں رہتے ہیں، میں ان تمام کواس صدائے فطرت پرغوروفکر کی دعوت دیتا ہوں۔

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

(الروم:۳۰)

''لہذا آپ یکسو ہوکر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کردیں۔اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پراس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کے بنائے کو بدلنا نہیں۔یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کوعقل دیکر امتیازی شان سے نوازا ہے۔اوراس کوعقل ہی کی وجہ سے تمام مخلوقات پر برتری حاصل ہے لہذا انسان کو چاہئے کہ اس نعمت الٰہی کی قدر کرنی چاہیے جس سے ان کواللہ تعالیٰ نے بہرہ ورکیا ہے۔قرآن کریم میں بارہااس کے سامنے سے یہ آیت گزرتی رہتی ہے اوروہ ان جملوں کی باربا تلاوت کرتا ہے۔کبھی اللہ تعالیٰ نے بندوں کواپنی کتاب عزیز میں ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ کہہ کرمخاطب کیا ہے کہ کیا تم سمجھ بوجھ نہیں رکھتے اورکبھی ﴿أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ﴾ جیسے جملہ سے بندے کو باورکرایا ہے کہ کیا تم غوروفکر نہیں کرتے؟ اورکبھی اس نے اپنے بندوں کو ﴿أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ کہہ کرسمجھانے کی کوشش کی ہے کہ کیا تم عقل

وخرد سے کام نہیں لیتے ہو؟ اس قسم کے تمام جملوں کا لب لباب یہ ہے کہ انسان کو تدبر و تفکر کے لئے آمادہ کیا جائے اور عقل انسانی کو اندھی تقلید سے آزاد کرا کے اسلام کی وسعت کے سایہ تلے پناہ گزیں ہونے کی ترغیب دی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک عقلمند شخص خواہش پرستی کی اندھیروں اور اندھی تقلید کی تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مارنے سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ خواہش پرستی اور اندھی تقلید شرک کا پیش خیمہ ہے ایک ہوشمند شخص احتیاط سے کام لیتے ہوئے ہوائے نفس اور تقلید شخصی سے دامن بچانے کی حتی المقدر کوشش کرتا ہے تا کہ اس کا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا ہے:

﴿فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَہۡوَآءَہُمۡ ؕ وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ بِغَیۡرِ ہُدًی مِّنَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿٪۵۰﴾﴾ (القصص: ۵۰)

''اگر یہ لوگ آپ کی بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوں تو آپ یقین کرلیں کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کررہے ہیں اس سے بڑھ کر بہکا وا اور کیا ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی خواہش ہی کا ہو کر رہ جائے کان کھول کر سن لو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

میں یہ کہنا چاہوں گا آل بیت رسول علیہ السلام سے میری محبت صرف اور صرف ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری اور رشتہ داری کی وجہ سے ہے کیونکہ ان کو اس مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت و رشتہ داری نے ہی فائز کیا ہے صحابہ کرام کا مرتبہ بھی صحبت اول کی وجہ سے ہے اول الذکر آل بیت رسول اور آخر الذکر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جو لوگ بھی ان سے محبت کرتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتے ہیں۔

اس لئے اس حقیقت کا ادراک ہوجانے کے بعد ضروری ہے کہ ہم آل بیت

رسول ﷺ اور صحابہ رسول ﷺ سے تعلق کا اظہار کریں "ربحت الصحابه ولم اخسر آل البیت۔

میں نے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنانے کی سعادت حاصل کی ہے وہیں آل بیت رسول ﷺ کا دامن کا ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین۔ وصلی الله وسلم علیٰ نبینامحمد وعلیٰ آله وصحبه اجمعین الیٰ یوم الدین۔

❋......❋......❋